تو اُن سے بڑا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے،

پیام نو، مرتبہ جناب وفا راشدی تقطیع اوسط، ضخامت ۲۱۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت مجلد عہ، پتہ :- محمد تسلیم الدین پروانہ کاکوی، برقی پریس بانکی پور پٹنہ،

گذشتہ چند برسوں کے اندر اردو شاعری میں قومی وملّی اور سیاسی وانقلابی نظموں کا بڑا ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے، اور اُسکے بعض مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں، پیام نو اسی قبیل کی نظموں کا نیا مجموعہ ہے، اس میں اردو کے ۳۵-۴۰ شعراء کی منتخب نظمیں ہیں، نظموں کے ساتھ شعراء کے مختصر حالات بھی دیدیئے گئے ہیں، لیکن یہ انتخاب جامع و مانع نہیں ہے، بعض مشہور شعراء کا کلام اس میں نظر نہیں آتا، اور اس کے مقابلہ میں غیر معروف اور مقامی شعراء کو جو کسی حیثیت سے بھی مشاہیر شعراء کے زمرہ میں شمار ہونے کے لائق نہیں ہیں، شامل کر دیا گیا ہے، تاہم مجموعی حیثیت سے یہ انتخاب جدید رجحانات شاعری کے نمونوں کا اچھا مجموعہ ہے، اس کے شروع میں ڈاکٹر عندلیب شادانی کا مختصر مگر مفید اور دلچسپ مقدمہ ہے،

باب القرآن، از جناب افضل العلماء ابو سعود احمد صاحب باقوی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت تحریر نہیں، پتہ :- جنرل سپلائنگ ایجنسی میل وشارم مدراس،

یہ رسالہ اس مقصد سے لکھا گیا ہے کہ عربی حروف تہجی اور ان کے اعراب کو اس طرح بچوں کے ذہن نشین کرا دیا جائے، کہ وہ آسانی سے قرآن مجید پڑھ سکیں، چنانچہ مفرد حروف، اعراب اور اُن کی ترکیب کی شکلوں کو الگ الگ مشق کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، اور قرآن پاک کے الفاظ فقروں اور عبارتوں سے عربی پڑھنے کی مشق کے اسباق دیئے ہیں، رسالہ اپنے مقصد کے لئے مفید ہے،

"م"

جلد ۶۵ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۵۰ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان کی غلامی کے زمانہ میں فرقہ پرستی کا سارا الزام انگریزوں کے سر منڈھ دیا جاتا تھا، اور یہ کہکر دل کو تسلی دیجاتی تھی کہ یہ آگ انگریزوں کی لگائی ہوئی ہے، ان کے بعد خود ٹھنڈی ہو جائیگی، لیکن آزادی ملنے کے بعد اس کے شعلے اور بھڑک اٹھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں کا بگڑا ہوا اخلاق دفعتہ پھوٹ پڑا ہے جس کے اثر سے کوئی طبقہ اور کوئی جماعت بھی محفوظ نہیں ہے جو لوگ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے علمبردار سمجھے جاتے تھے وہ بھی اس کی لپیٹ میں آگئے تاہم اب بھی دونوں ملکوں میں کچھ ایسے حق پرست انصاف پسند اور محب انسانیت موجود ہیں، جو ہندو مسلم اتحاد کے دل سے خواہشمند اور ہندوستان اور پاکستان پر یہاں کی قوموں کا بھی وطنی حق سمجھتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان پر زیادتی نہ ہونے پائے اور وہ ان ملکوں کی اکثریت کی طرح امن و سکون و خوشحالی کی زندگی بسر کریں لیکن اُن کی تعداد بہت کم اور اُن کی آواز بے اثر ہے، عام ذہنیت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ حکومت کو بھی فرقہ پرستوں پر قابو نہیں رہ گیا ہے، اور وہ آزادی کے ساتھ اقلیتوں کے خلاف نفرت و عداوت کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں اور حکومت اُن کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتی،

ہندوستان اور پاکستان کے آئے دن کے اختلافات اور ان کی اقلیتوں کی بے اطمینانی اس آگ کو اور زیادہ بھڑکاتی رہتی ہے، اس سے فرقہ پرستوں کو زہر پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے اور اس کا خمیازہ دونوں ملکوں کی اقلیتوں کو بھگتنا پڑتا ہے جن کی حیثیت یرغمال کی سی ہوگئی ہے جب ہندوستان اور پاکستان میں کوئی نئی پیچیدگی پیدا ہوئی، یا ایک ملک کی اقلیت پر ظلم زیادتی کی چھوٹی یا بڑی خبر آئی کہ دوسرے ملک کی اقلیت کی جان پر بن گئی، اور اس کے امن و سکون کا خاتمہ ہو گیا، اُن کی زندگی جس بے اطمینانی اور موت و حیات کی کشمکش میں گذر رہی ہے اس کا اندازہ صرف ہندوستان کے مسلمان اور پاکستان کے ہندو ہی کر سکتے ہیں، اگر یہ صورت قائم رہی تو خدا ہی جانتا ہے کہ ان دونوں کا حشر کیا ہوگا، ان کے بچنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ پاکستان ہندوؤں کی اور ہندوستان مسلمانوں کی پوری حفاظت اور اپنے عمل سے اُن کو مطمئن

اور موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت اور انتقام در انتقام کا سلسلہ اگر قائم رہا تو کچھ کروڑ انسانوں کی تباہی اور ہلاکت یقینی ہے جس کا وبال دونوں حکومتوں کے سر ہوگا،

ہندوستان کی حکومت تو لادینی ہے، جو صرف دنیاوی قانون کی حیثیت سے مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ دار ہے اس کو اور کسی مواخذہ کا خوف نہیں لیکن پاکستان تو اسلامی حکومت ہونے کا مدعی ہے اس لئے پاکستان کے غیر مسلمان کے ساتھ عدل و انصاف اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اس کا مذہبی فریضہ ہے اور وہ خدا کے سامنے اس کا جوابدہ ہوگا، اس لئے اس پر غیر مسلم محکوموں کی حفاظت کی دہری ذمہ داری ہے، اس کے علاوہ غلط یا صحیح ہندوستان کے مسلمانوں کا امن و سکون پاکستان کے ہندوؤں سے وابستہ کر دیا گیا ہے، جو حال ان کا پاکستان میں ہوگا وہی مسلمانوں کا ہندوستان میں ہوگا، اس حیثیت سے پاکستان پر ہندوؤں کی حفاظت کی اور زیادہ ذمہ داری ہے، کیا غازیان پاکستان و شہدائے پاکستان کا اتنا حق بھی نہیں ہے کہ وہ ان کے تحفظ و اطمینان کے لئے پاکستان کے ہندوؤں کو محفوظ و مطمئن رکھیں ان کو کیا خبر کہ ان کی ایک غلطی سے ہندوستان کے مسلمانوں پر کیا گذر جاتی ہے،

تو اے کبوتر بام حرم چہ میدانی — تپیدن دل مرغان رشتہ برپا را

ان کے ساتھ پاکستان کا سب سے بڑا سلوک و احسان یہی ہے کہ وہاں کے ہندوؤں پر زیادتی نہ ہونے پائے اور وہ محفوظ و مطمئن رہیں، ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت پاکستان کے یرغمال کی سی ہے، وہاں کی جو فضا ہوگی اس کا اثر ہندوستان کے مسلمانوں پر ضرور ظاہر ہوگا، اس لئے ان کا امن و سکون انہی کے ہاتھ میں ہے خواہ وہ ان کو زندہ رہنے دیں یا تباہ کرا دیں،

اسی کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ کہنا ہے کہ غیر اللہ کا خوف و ہراس نہ صرف اسلام کی تعلیم اور ایمان کی شان کے خلاف ہے بلکہ دنیاوی حیثیت سے بھی زندہ رہنے کا یہ اصول نہیں ہے، وہ اپنے دل کو مضبوط رکھیں اور ایمان و عمل کی قوت پیدا کریں، اسی سے زندگی کی طاقت آتی ہے، اگر وہ حوصلہ و ہمت اور ہوشمندی سے کام لیں تو نہ فرقہ پرست ان کو ختم کر سکتے ہیں اور نہ حکومت نظر انداز کر سکتی ہے، چار کروڑ کی طاقت معمولی نہیں ہے، بشرطیکہ وہ خوف و ہراس اور دہشت سے خود اپنے کو موت کے حوالہ نہ کر دیں، موت سے ڈر کر زندہ رہنے والی قوموں کا شیوہ نہیں، مسلمانوں کا تو

اس پر ایمان ہو کہ موت نہ وقت سے پہلے آسکتی ہے اور نہ وقت مقررہ سے ٹل سکتی ہے، پھر اس سے ڈرنے کے کیا معنی، مسلمانون کی تو یہ شان ہونی چاہئے کہ ع چو مرگ آید تبسم برلب اوست

زندگی کی کشمکش مین بزدلی اور خوف وہراس سے موت آتی ہے، اور اس کے بہادرانہ مقابلہ سے زندگی پیدا ہوتی ہے، اس لئے مسلمانون کو مردانگی سے مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہئے انشاء اللہ وہ ایک نہ ایک دن ہندوستان مین اپنا محمود درجہ حاصل کرکے رہین گے، اور اگر بالفرض کوئی ایسا وقت آجائے کہ ان کو مرنے کے لئے مجبور کیا جائے تو بہادرانہ مرنا جان دینا بزدلی کی موت سے کہین بہتر ہے اور اس صورت مین شہادت کا اجر تو بہر حال کہین نہین گیا ہے،

افسوس ہے کہ ہماری پرانی علمی و ادبی بزم کی ایک اور شمع گل ہو گئی، اور گذشتہ ۹ فروری کو مولانا شیخ عبد القادر مرحوم نے چھہتر سال کی عمر مین انتقال کیا مرحوم کی ذات گوناگون اوصاف کی جامع تھی، وہ اردو زبان کے مشہور ادیب اور اس کے پرانے محسن اور خدمت گذار تھے انکا مشہور رسالہ مخزن اپنے زمانہ کا اردو کا سب سے زیادہ ممتاز اور مقبول رسالہ تھا، اردو مین سنجیدہ نگاری اور اچھے اصحاب قلم پیدا کرنے مین اس کا بڑا حصہ تھا، مرحوم کا ادبی ذوق ہر زمانہ مین قائم رہا، اور وہ کسی نہ کسی حیثیت سے برابر اردو کی خدمت کرتے رہے، مخزن کے جدید دور مین بھی وہ اس کے سرپرست تھے، پاکستان کے قیام سے پہلے تک وہ دار المصنفین کے رکن تھے، ان علمی ادبی کمالات کے ساتھ ان کو بڑے سے بڑے دنیاوی اعزاز بھی حاصل ہوئے، اور وہ مختلف اوقات مین ہائی کورٹ کی ججی، وزارت تعلیم، مرکزی پبلک سروس کمیشن کی رکنیت انڈیا کونسل کی ممبری وغیرہ جیسے مناصب جلیلہ پر فائز رہے، لیکن ان کی وضعداری مین کبھی فرق نہین آیا، وہ نئی تعلیم کے ساتھ پرانی تہذیب و شرافت کا نمونہ، اور ہر طبقہ و ہر فرقہ مین مقبول اور سب کے ساتھ ان کے یکسان تعلقات تھے، اب ایسی شخصیتین مشکل ہی سے پیدا ہونگی، ایسی یادگارین خواہ ہندوستان کی ہون یا پاکستان کی کم از کم ایک دو نسلون تک دونون کی مشترک ملک ہین، اور ان کی موت دونون کا نقصان ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمائے،

مقالات

ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے زمانہ مین

فنونِ جنگ

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین

میدانِ جنگ مین فوجون کی ترتیب

غزنویون کی فوج کی صف آرائی

غزنویون کے عہد مین لڑائی کے موقع پر فوجون کی ترتیب مین حسب ذیل صفین ہوتی تھین،

(۱) مقدمہ (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۴) قلب،

تاریخ یمینی کے مصنف عتبی کا بیان ہے کہ ناردین کی معرکہ آرائی کے موقع پر سلطان محمود غزنوی نے اپنی فوج کی ترتیب اس طرح دی،

"سلطان جب اپنی منزل مقصود کے قریب پہونچا تو اس نے اپنے سوارون کو صفون مین مرتب کیا، اور مختلف حصون مین اس طرح تقسیم کیا کہ میمنہ مین اپنے بھائی امیر نصر بن ناصر الدین کو جانباز بہادرون کے ساتھ مقرر کیا، میسرہ مین ارسلان الجاذب کو طاقتور نوجوانون کے ساتھ مامور کیا، اور مقدمہ مین عبد اللہ محمد بن ابراہیم طے تھا جس کے ساتھ غیظ و غضب سے

بھرے ہوئے عرب سوار تھے، قلب مین التون تاش شاہی حاجب تھا، اس کے ہمراہ شاہی غلامون کی ایک بڑی تعداد پہاڑین کر کھڑی تھی"[1]

مقدمہ فوج کی اگلی صف، میمنہ دائین صف، میسرہ بائین صف، اور قلب مرکز کو کہتے تھے، کچھ فوجین عقب مین بھی رہتی ہون گی، مگر غزنوی دور مین ان ۔۔۔ کے لئے کون سی اصطلاح استعمال کیجاتی تھی معلوم نہین ہو سکی،

غوریون کے لشکر کی صف آرائی | یہی ترتیب غوریون کے زمانہ مین بھی رہی، ترائین کی جنگ مین معزالدین محمد بن سام المعروف بہ شہاب الدین غوری نے جو صفون کی ترتیب دی تھی، ان کے لئے منہاج سراج نے ذیل اصطلاحات استعمال کی ہین،

(۱) قدام لشکر (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۴) قلب (۵) خلف،

اس جنگ مین فوجون کی صف آرائی کا ذکر منہاج سراج نے ان الفاظ مین کیا ہے:

"در حدود تراین لشکر گاہ کردہ سلطان تعبیہ لشکر بساخت و قلب و بنہ ورایات و علامات و چیز و پیلان در عقب بقدر چند کردہ بگذاشت صف راست کردہ آہستہ می آمد و سوار برہنہ و جریدہ را چہار فوج فرمودہ بود از طرف کفار نامزد کرد، و فرمان داد، می باید کہ از چہار طرف میمنہ و میسرہ و خلف و قدام لشکر بہر طرف دہ ہزار سوار تیر انداز دست بر لشکر کفار می دارند و چون پیلان و سوار و پیادہ ملاعین حملہ می کنند شما پشت می دہید و تنگ اسپ پیش ایشان دور می شوید لشکر اسلامیان ہمبران منوال کفار را عاجز کردند حق تعالی اسلام را نصرت بخشید"[2]

[1] ایلیٹ جلد دوم ص ۔۳، تاریخ یمینی کا فارسی نسخہ پیش نظر نہین ہے اس لئے ایلیٹ کی انگریزی عبارت سے میمنہ میسرہ اور قلب کی اصطلاح بنائی گئی ہے [2] طبقات ناصری ص ۱۲۰ نیز دیکھو مبارک شاہی ص ۱۰،

سلاطین دہلی کی فوجون کی صف بندی | غلامون، خلجیون اور تغلقون کے زمانہ مین لڑائی کے موقع پر فوجون کی صفون کے لئے حسب ذیل اصطلاحات استعمال ہوئین،

(۱) طلایہ،[1] مقدمہ پیش[2]، یزک[3]، یہ تینون اصطلاحات فوج کے اس دستہ کے لئے استعمال ہوتی تھین جو لشکر سے بہت آگے دشمنون کی مختلف خبرین پہنچانے پر گویا مامور ہوتا تھا، یہ کبھی کبھی غنیم سے ہلکی جھڑپ بھی کر لیتا تھا،

(۲) مقدمہ یعنی اگلی صف اس کے کبھی کبھی دو بازو کر دیئے جاتے تھے، جو جناح[4] کہلاتا تھا،

(۳) میسرہ، اس کے دونون جانب کے حصہ کو دست راست میسرہ، دست چپ میسرہ کہتے تھے،

(۴) میمنہ، اس کے دونون بازو دست راست میمنہ و دست چپ میمنہ کہلاتے تھے،

(۵) قلب، اس کے دائین بائین حصہ کو دست راست قلب اور دست چپ قلب کہتے تھے،

(۶) سقہ یا خلف،

ہر حصہ کی نگرانی علحدہ علحدہ عہدیدارون کے ذمہ ہوتی تھی، اگلی صف کا نگران مقدم یا سر لشکر مقدمہ کہلاتا تھا[5]، میمنہ اور میسرہ کے نگران علی الترتیب سر فوج میمنہ یا سر فوج میسرہ کے لقب سے ملقب ہوتے تھے[6]، قلب مین بادشاہ یا اس کا قائم مقام عہدیدار ہوتا تھا، بادشاہ کے ارد گرد علماء، ائمہ، اطبا

[1] و [2] طبقات ناصری ص ۲۸۶، ۳۲۲، [3] ایضاً ص ۳۲۲، برنی ص ۴۲۰، ۹۰، فتوح السلاطین ص ۲۲۲، ص ۲۵۴ وغیرہ [4] جناح کی اصطلاح بالکل واضح نہین ہوتی میرا ذاتی خیال ہے کہ اگلی صف کے بازوؤن ہی کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے، جناح کے لفظی معنی بازو کے ہین، لیکن اس سے میمنہ یا میسرہ ہرگز مراد نہین، فتوح السلاطین مین ہے،

چو قلب و جناح و یسار و یمین | دو سو شد مرتب دران دشت کین

[5] فتوح السلاطین ص ۲۵۰ و برنی ص ۹۰ [6] برنی ص ۲۶۰،

منجنیق اور ان کے بعد تیر انداز بڑے جمائے کھڑے رہتے تھے،[۵۱] شاہی علم طبل، بوق، دمامے، نفیری، ارغون سرنا وغیرہ بادشاہ کے سامنے ہوتے،[۵۲] بادشاہ جنگ مین شریک نہ ہوتا، تو ساری فوج سرلشکر[۵۳] کے ماتحت ہوتی، جو یا تو وزیر اعظم یا کوئی بہت ہی اعلیٰ رکن سلطنت ہوتا،

مقدم، سرفوج میسرہ اور سرفوج میمنہ کوئی معزز خان ہوتا تھا، اس کے ماتحت ملک، ملک کے ماتحت امیر، امیر کے ماتحت سپہ سالار، اور سپہ سالار کے ماتحت سرخیل ہوتے تھے، ایک ملک زیادہ سے زیادہ دس ہزار سوار، ایک امیر ایک ہزار سوار، ایک سپہ سالار ایک سو سوار، اور ایک سرخیل یا ایک عارف دس سوارون کی نگرانی کرتا تھا،[۵۴] قلب مین خاصہ خیل یعنی بادشاہ کے خاص سوارون کی نگرانی سرجاندار کرتے تھے، اور وہ قلب کے دونون بازوؤن پر ہوتے تھے، اس لئے سرجاندار میمنہ اور سرجاندار میسرہ کہلاتے تھے،[۵۵] لشکر مین شاہی غلمان ہوتے تو وہ امیر غلمان میمنہ و میسرہ کے ماتحت ہوتے تھے،[۵۶]

اس عہد کے پیادون کے نگران کیلئے اصطلاحات معلوم نہ ہو سکین، سہم الحشم و نائب سہم الحشم و شحنہ حشم فوج کے بعض عہدے تھے،[۵۷] حشم سے مراد اگر پیادے ہون تو شاید یہ عہدے پیادہ فوج ہی سے متعلق ہونگے، ہر حصہ مین گھوڑون کی نگہبانی کے لئے ایک اخور بک، ہاتھیون کے لئے ایک شحنہ پیل، اونٹون کے لئے ایک شحنہ نفر، ہتھیارون کے لئے ایک سرسلاحدار ہوتا تھا، ایک چاؤش بھی متعین رہتا تھا، جو اس کی نگرانی کرتا کہ ہر لشکری اپنی اپنی جگہ پر موجود ہے، ایک نقیب احکام سنانے کے لئے مامور ہوتا تھا،[۵۸] ضوابط اور احکام کی خلاف ورزی یا صفون مین بے ترتیبی پیدا کرنے کے سلسلہ مین سخت سزا مقرر تھی، علاؤ الدین خلجی کی فوج کیلی مین مغلون کے مقابلہ مین صف آرا ہوئی، تو اس نے اپنی فوج

---

۵۱ صبح الاعشی بحوالہ معارف نمبر ۵ جلد ۲۶، ۵۲ آداب الحرب بحوالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۷ء ۵۳ برنی ص ۳۲۸
۱۳۱، ۱۵۹، ۷۷، ۴۸، علاؤ الدین کے عہد مین سرلشکر ملک نائب کافور تھا، ۵۴ برنی ص ۲۵، ۵۵ مبارک شاہی ص ۶۲
۵۶ برنی ص ۳۰ ۵۷ مبارک شاہی ص ۳۰ و برنی ص ۳۰ ۵۸ برنی ص ۳۰،

کو یہ حکم سنایا،

کس از سرفرازان بجنبد ز جائے | مگر ہم بہ فرمان فرمان روائے
دگر خود کسے بگذرد زین سخن | سر خود نہ بیند بہ پہلوے تن[۵۱]

صفون کی ترتیب مین پیادون، سوارون اور ہاتھیون کے تقدم و تاخر مین کسی یکسان ضابطہ کی پابندی نہین ہوتی تھی، مصالح اور مواقع کی بنا پر کبھی پیادے کبھی سوار اور کبھی ہاتھی آگے رکھے جاتے، پیادے اگر آگے ہوتے تو پہلی قطار مین برگستوان، جوشن اور سپر والے تیر انداز رکھے جاتے، دوسری قطار مین زرہ پوش نیزہ باز اور تیغ انداز سپر کے ساتھ ہوتے، تیسری قطار مین تیر اور گرز بردارون کی جماعت ہوتی، چوتھی قطار، سیف، شمشیر اور گرز والون پر مشتمل ہوتی، تمام قطارون کے درمیان اتنی جگہ چھوڑ دیجاتی کہ عقب کے سوار اور دوسرے لشکری سامنے لڑائی کے نشیب و فراز کو دیکھ سکتے تھے، یا ضرورت کے وقت ان جگہون سے ہو کر آگے مدد کے لئے بڑھ سکتے تھے، یا آگے بڑھ کر اپنی مقررہ جگہ پر واپس آسکتے تھے،[۵۲] سوار اگر آگے ہوتے، تو زرہ، خود، جوشن، دستوانہ اور برگستوان مین ملبوس، تیر کمان، تیغ، نیزہ اور تبر سے لڑتے،

ہاتھی کبھی آگے ہوتے، تو اُن کے پیچھے سوار ہوتے، غیاث الدین تغلق اور خسرو خان کی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے امیر خسرو اول الذکر کی فوج کی صف آرائی کا حال لکھتے ہین،

صف پیلان چو صف ابر آزار | ہر ابرے، برق حملہ، باد رفتار
ز ہر پیل چون کوہے با شکوہ | بر و برگستوان چون ابر بر کوہ
بہ پشت پیل ترکان تیر درشست | چو کوہے کو بہ پشت کوہ بنشست
پس پیلان سواران صف کشیدہ | بجوشن از پشت ماہی تف کشیدہ[۵۳]

---

۵۱ فتوح السلاطین ص ۲۵۰ ۵۲ آداب الحرب بحوالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۷ء ۵۳ تغلق نامہ ص ۹۲-۹۳،

کبھی ہاتھی ہر صف کے آگے ہوتے، علاؤ الدین خلجی مغلوں کے خلاف کیلی میں جنگ کر رہا تھا، تو فتوح السلاطین کے مؤلف کا بیان ہے کہ

بہر فوج دو بستگاں پیل مست	یقین کردہ آن خسرو چیرہ دست
ازان ژندہ پیلانِ شرزہ شکار	کہ کس بر نگردد درین کار زار
شدہ پیش ہر صف یکے کوہسار	بفرمود پس شاہ والا تبار
مگر ہم بہ فرمان فرمانروائے[51]	کس از سر فرازان بجنبد ز جائے

مگر ہاتھی عموماً بادشاہ کیساتھ قلب میں ہوتا، صبح الاعشیٰ کا مصنف محمد تغلق کی لشکری ترتیب کے سلسلہ میں رقمطراز ہے،

"سلطان خود قلب میں ہوتا، ...... اس کے سامنے ہاتھیوں کا جھنڈ ہوتا ہے، ہاتھیوں پر برجوں سے ڈھکے ہوئے آہنی ہودج رکھے جاتے ہیں، جن پر تیرانداز سوار رہتے ہیں، اور پھر ان ہی برجوں کی ہر سمت میں سوراخ بنے ہوتے ہیں جن سے تاک تاک کر نشانے لگائے جاتے ہیں، اور ان ہی ہودجوں میں روغن نفط ہوتا ہے، جو شیشہ کی ٹکیوں سے دشمنوں پر اچھالا جاتا ہے جس سے شعلے پیدا ہوتے ہیں"[52]

محمود تغلق امیر تیمور کے خلاف معرکہ آرا ہوا تو اس کی فوج کے قلب ہی میں ہاتھی تھے[53]، ابراہیم لودی پانی پت کی جنگ میں صف آرا ہوا تو قلب ہی میں اُس نے ہاتھی رکھے تھے،

قلب کے پیچھے آخری صف یعنی سقہ یا خلف ہوتی، اس کی بھی کئی قطاریں ہوتی تھیں، پہلی قطار میں

---

[51] فتوح السلاطین ص ۲۰۵ نیز دیکھو برنی ص ۳۰۱، سیری کی جنگ میں بھی علاء الدین کی فوج کے ہر حصہ میں ہاتھی تھے، برنی کا بیان ہے
"و در ہر فوجی و لنگی پنجگان پیل برگستوانہا کردہ ایستادانیدہ"
[52] صبح الاعشیٰ بحوالہ معارف جلد ۶ نمبر ۵ [53] ظفر نامہ جلد دوم ص ۱۰۶

شاہی حرم کی بیگمات ہوتیں، اُن ہی کے ساتھ شاہی خزانے، اسلحہ خانے، آبدار خانے، باورچی خانے وغیرہ ہوتے، دوسری قطار میں فاضل گھوڑے، اونٹ اور مویشی، قیدی اور زخمی سپاہی رکھے جاتے، پھر تیسری قطار میں فوج کا ایک دستہ ہوتا تھا، جو عقب سے دشمنوں کے حملہ کی مدافعت کے لئے تیار رہتا تھا[54]، خلف قلب سے چند گز دور پر واقع ہوتا[55]،

ان مختلف صفوں کے علاوہ کمین گاہوں[56] میں بھی فوجیں پوشیدہ رکھی جاتی تھیں، یہ دشمنوں پر اچانک حملہ کرتی تھیں، کوئی صف کمزور دکھائی دیتی تھی، تو اسکی مدد کو بھی پہنچتی تھیں،

تیموری فوجوں کی صف آرائی | امیر تیمور نے اپنے لشکر کی صف آرائی کے لئے خاص خاص قوانین و ضوابط مرتب کئے تھے، اگر اس کی فوج بارہ ہزار سوار پر مشتمل ہوتی، تو اس کی صف آرائی حسب ذیل طریقہ پر ہوتی،

(۱) قراول

(۲) ہراول

(۳) جرانغار، اس کے تین حصے ہوتے، ہراول جرانغار، چاول جرانغار، سقاولِ جرانغار،

(۴) برانغار، اس کے بھی تین حصہ ہوتے، ہراول برانغار، چاول برانغار، سقاول برانغار

(۵) قول

اور اگر فوج کی تعداد بارہ ہزار سے چالیس ہزار یا اس سے زیادہ ہوتی، تو اس کی صف آرائی کا نقشہ یہ ہوتا،

(۱) قراول، قراولِ دست راست، قراولِ دست چپ،

---

[54] آداب الحرب بحوالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء [55] طبقات ناصری ص ۱۲۲ [56] فتوح السلاطین ص ۲۵۰ علاؤ الدین خلجی کیلی میں مغلوں کے خلاف صف آرا ہوا تو اس کی ہر صف کے پیچھے کمین گاہ تھی،

بہ پشتی ہر صف کرازے دلیر | کمین کردہ چون دررہ صید شیر

(۲) ہراول بزرگ، ہراولِ ہراول

(۳) جرانغار، ہراولِ جرانغار، شقاول، ہراولِ شقاول،

(۴) برانغار، ہراولِ برانغار، چپاول، ہراولِ چپاول،

(۵) قول، دستِ راست قول، دستِ چپ قول،

(۶) عقب،

قراول یعنی فوج کے آگے آگے رہنے والا دستہ، ہراول کے راست و چپ غنیم کے لشکر کی دیدبانی کے لئے ہوتا، ہراول بزرگ کے آگے بھی ایک ہراول ہوتا جس مین فوج کا صرف ایک دستہ ہوتا، ہراول ہراول کے پیچھے ہراول بزرگ کی فوج چھ دستون مین منقسم ہوتی، اسی طرح جرانغار مین چھ دستے ہوتے، ہراول جرانغار مین صرف ایک دستہ، شقاول مین چھ اور ہراولِ شقاول مین صرف ایک دستہ ہوتا، ہرانغار، ہراولِ برانغار، چپاول اور ہراول چپاول کی یہی ترتیب ہوتی، قول کی پہلی صف چھ دستون مین تقسیم ہوتی، اس کے عقب مین اٹھائیس دستے کھڑے رہتے، قول کے دست راست پر امیر تیمور کے "فرزندان و نبیرگان" اور دست چپ پر "خویشاوندان اور قرابتان" کی جماعت ہوتی، ان کی فوج طرح یعنی فوج محفوظ کہلاتی، جو بوقت ضرورت مختلف حصون مین مدد کے لئے پہونچتی،[۱]

بابر کی فوجون کی ترتیب

صف آرائی کی یہ اصطلاحین بدلتی رہین، پانی پت کی جنگ مین خود بابر کے بیان کے مطابق حسب ذیل صفین تھین،

(۱) قراول

(۳) ہراول، اس کے ساتھ فوج محفوظ کی صف طرح ہراول کہلاتی تھی،

(۳) برانغار، برانغار کے اوج یعنی اس کی داہنی طرف بالکل کنارے پر فوج کا ایک ایسا

۱؎ تزوک تیموری صفحہ ۲۰۰، ۱۹۰،

دستہ تھا، جو پلٹ کر غنیم کے عقب پر پیرون سے حملہ کرتا تھا، اس کو "تولقمہ اوج جرانغار" کہا جاتا تھا، جرانغار کے ساتھ ایک فوج محفوظ بھی تھی، جو طرح جرانغار کہلاتی تھی،

(۴) جرانغار، جرانغار کے ساتھ بھی تولقمہ، اوج برانغار اور طرح برانغار تھی،

(۵) قول یا غول یعنی مرکز، اس کے دو حصے تھے، دستِ راست قول، دستِ چپ قول،

(۶) طرح قول یعنی فوج محفوظ قول کے پیچھے صف آرا تھی،

سیکری کی جنگ مین بابر کی فوج کے جرانغار اور برانغار مین دائین اور بائین بازو بھی تھے جن کے لئے یمین جرانغار، یسار جرانغار، یمین برانغار اور یسار جرانغار کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہین،[۱]

بابر کے جانشینون کی فوجون کی صف آرائی

تیموریون کی سلطنت ہندوستان مین باضابطہ قائم ہوئی، تو مختلف لڑائیون کے موقع پر صفون اور ان کی اصطلاحات مین تھوڑی ترمیم ہوتی رہی،

(۱) قراول جو کبھی مقدمۃ الجیش[۲]، کبھی منقلا[۳] اور کبھی طلیعہ[۴] یا طلایہ کہلاتا تھا،

(۲) ہراول، اس کے کبھی کبھی دو بازو، راست ہراول اور چپ ہراول ہو جاتے، بدایونی نے جوزۂ ہراول[۵] کی ایک اصطلاح استعمال کی ہے اور اس کی تشریح خود اس طرح کی ہے،

"و چند نفر چیدہ و برگزیدہ ہمراہی سید ہاشم بارہہ پیشتر از ہراول نامزد شدند کہ آنرا جوزۂ ہراول می نامیدند"

مگر یہ اصطلاح کسی اور مورخ نے استعمال نہین کی ہے، ہراول کی فوج محفوظ کو التمش[۶] کہتے تھے

۱؎ بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۲۱۲-۲۱۳، دبابر نامہ انگریزی جلد دوم ص ۴۷۰، ۵۶۵ ۲؎ بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۶۸۸ ۳؎ اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۷، ۳۶۴، بدایونی جلد دوم ص ۱۵ تزک جہانگیری ص ۳۴۲، ۳۹۴، بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری ۱۴۲-۲۱۳ وغیرہ وغیرہ ۴؎ اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۶؛ جلد سوم ص ۶۰۷، ۵؎ بائین اکبری جلد اول ص ۴۰۰، منتخب اللباب ص ۵۸۹ ۶؎ بدایونی جلد دوم ص ۲۳۱ ۷؎ اکبر نامہ جلد سوم ص ۳۲۴، ۳۳۲، ۳۲۵

(۳) جرانغار اسکو کبھی دست چپ، کبھی میسرہ، کبھی صرف یسار کہا جاتا تھا، اس کے دائین بائین بازو بھی ہوتے تھے، جو دست راست جرانغار اور دست چپ جرانغار کہلاتے تھے، جرانغار کے ساتھ تولقہ یا تلقمہ[1] اور طرح[2] بھی ہوتا تھا،

(۴) برانغار جس کے لئے کبھی دست راست، کبھی میمنہ اور کبھی صرف یمین کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی، اس کے بھی دست راست برانغار اور دست چپ برانغار ہوتے تھے، اس کے ساتھ بھی تولقہ یا تلقمہ اور طرح ہوتا تھا،

(۵) قول یا غول یا قلب، اس کا بایان بازو دست چپ قول اور دایان بازو دست راست قول ریا میسرہ قول یا میمنہ قول[3]) کہلاتا تھا، ان دونون بازوؤن کے پیچھے کچھ فوجین محفوظ رکھی جاتی تھین، جو طرح دست راست اور طرح دست چپ کہلاتی تھین[4]،

(۶) چنداول جس کو کبھی چندول یا سقہ بھی کہتے تھے، یہ فوج کی پچھلی صف ہوتی تھی، جو فوجی سامان شاہی حرم کی بیگمات اور فوجی کیمپ کی محافظت کے لئے متعین ہوتی تھی،

صفون کو ترتیب دینے کا ذمہ دار بخشی الممالک ہوتا تھا، جنگ سے ایک روز پہلے وہ بادشاہ یا شہزادہ یا جنگ کے حاکم اعلیٰ کے سامنے فوجون کی تعداد اور مختلف فوجی سردارون کی متعینہ جگہون کا نقشہ پیش کرتا تھا[5] اسی نقشہ کے بموجب وہ میدان جنگ مین مختلف عہدہ دارون کو مختلف صفون مین متعین کرتا تھا، لڑائی مین کوئی سردار جنگی خطا کرتا تو اس کی جگہ پر دوسرے کو متعین کرتا، بخشی الممالک کے ماتحت نائب بخشی بھی ان کامون مین ان کی مدد کرتے تھے، کبھی صف آرائی کی خدمت امیرون

---

[1] اکبر نامہ جلد سوم ص ۲۴۴، ۲۵۱، لب التواریخ از خافی خان حصہ دوم ص ۸۷۶ [2] عمل صالح جلد دوم ص ۲۰۲ ، [3] عالمگیر نامہ ص ۹۵ و ص ۹۷ [4] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری جلد اول ص ۲۹۹ [5] اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۹۴ و ص ۳۴۳ [6] تزک جہانگیری ص ۱۹۲-۱۹۱ و بابر نامہ اردو ترجمہ مین جنگ کے موقع پر نظام الدین علی خلیفہ میر بخشی کی صف آرائی، بابر نامہ انگریزی جلد دوم ص ۵۶۸، ۵۶۴

کے بھی ذمہ کی جاتی تھی[1]، کبھی بادشاہ دار السلطنت سے فوجون کی صفون کو ترتیب دیکر ان کو روانہ کرتا، فوجین اسی ترتیب کے ساتھ میدانِ جنگ مین کھڑی ہوتین[2]، اہم لڑائیون مین بادشاہ یا سپہ سالار فوجون کی صف آرائی بہ نفس نفیس خود کرتے[3]، جانشینی کی جنگ کے موقع پر شہزادے خود ہی صفون کو ترتیب دیتے تھے[4]

ہر صف کا نگران ایک سردار یا سالار ہوتا تھا[5]، پھر ہر صف کے لشکر کی مختلف حصون مین منقسم کئے جاتے تھے، یہ حصے قشون[6] (قوشون) یا تومان[7] (تومن) یا کبھی چوکی اور کبھی توپ کہلاتے تھے[8]، ہر قشون کا محافظ ایک علحدہ عہدیدار ہوتا تھا، بابر کی فوج مین ان عہدون کی نگرانی کسی سلطان، یا بیگ یا امیر کے ذمہ ہوتی تھی[9]، اکبری دور مین جب منصبداری نظام قائم ہوا، تو پھر فوجون کے قشون اور تومان کی نگرانی کوئی معزز منصبدار کرتا تھا، دہ ہزاری منصبدار کی رہنمائی مین نو ہزاری سے یکہزاری

---

[1] عالمگیر نامہ جلد اول ص ۲۴۵ [2] عمل صالح جلد اول ص ۴۶۰، جلد دوم ص ۴۶۲ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۵۰۴ جلد دوم ص ۴۸۲ [3] مثال کے لئے دیکھو دارا اور اورنگ زیب کی جنگ عالمگیر نامہ ص ۹۵ و ۹۰، منتخب اللباب جلد دوم ص ۲۶-۲۷، و منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۰۰ [4] اورنگ زیب کی ہدایت تھی کہ میدانِ جنگ مین شہزادون اور سپہ سالارون کے ساتھ غیر ضروری لوگ نہ ہون، کیونکہ باہجوم توابع و پیش آمدن انہا از فوج انتظام و نسق فوج را مجال نمی گذارد، (رقعات عالمگیر ص ۲۴۳ (معارف پریس) [5] تزک تیموری ص ۲۰۳، جنگ کے موقع پر مختلف سردارون اور سالارون کے نام کے لئے دیکھو اکبر نامہ جلد سوم ص ۴۲۴، عمل صالح جلد اول ص ۳۶۹ جلد دوم ص ۴۶ ص ۶۲، بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۰۵، جلد دوم ص ۴۸۲، منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۰۰ وغیرہ وغیرہ [6] تزک تیموری ص ۲۰۳، الیٹ جلد سوم ص ۴۳۲ [7] اکبر نامہ جلد دوم ص ۶۲، بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۳۴ و ص ۶۷۴، سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۸۳ [8] تزک تیموری ص ۲۰۳، الیٹ جلد سوم ص ۴۳۰، اکبر نامہ جلد دوم ص ۹۳ [9] اکبر نامہ جلد سوم مین ہے بخشیان را فرمان شد کہ فوج ہای سپاہ را چوکی بہ چوکی بشائستگی بگذرانند، اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۴۲، خانخانان لشکر منصور را چہار توپ گردانید [10] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۲۶۵-۶۲ و ۱۳۰-۳۱۲، تیمور کی فوج کی سرداری ایک امیر ہی کرتا تھا، امیر کی دو قسمین تھین، امیر با تمغا، اور امیر بے تمغا (تزک تیموری ص ۲۰۳)

منصبدار تک ہوتے تھے، اسی طرح ہشت ہزاری کے ماتحت ہشت صدی تک، ہفت ہزاری کے ماتحت ہفت صدی تک، پنج ہزاری کے ماتحت پنج صدی تک اور پنج صدی کے ماتحت یک صدی تک مقرر کئے جاتے تھے[۱]، جنگ مین بادشاہ یا شہزادہ شرکت کرتا، تو سارے منصبدار اس کے تحت ہوتے، بادشاہ یا شہزادہ نہ ہوتا، تو سارے سردار یا سالار سپہ سالار[۲] کی نگرانی مین ہوتے تھے، مختلف لشکرون کا سردار عموماً ان ہی کی قوم کا کوئی منصبدار ہوتا تھا، مثلاً راجپوتون کی جوکی ایک راجپوت منصبدار، افغانون کا تو وہان ایک افغانی منصبدار، مغلون کا قشون ایک مغل منصبدار کے ماتحت ہوتا، توپچی، برق انداز، تفنگچی، اور دیگ انداز وغیرہ ایک ایسے منصبدار کی نگرانی مین رہتے جو میر آتش کہلاتا تھا،

صف آرائی مین تفنگچی، برق انداز، سوار، ہاتھی، اور پیادے کے تقدم و تاخر مین کسی یکسان ضابطہ کا تحریر کرنا مشکل ہے، مگر بڑی بڑی لڑائیون کے موقع پر عام طور پر ہراول کی پہلی قطار مین[۳] توپچی، برق انداز، گولہ انداز، اور دیگ انداز ہوتے تھے، توپین کبھی بڑے بڑے چھکڑون ارابا پر رکھی جاتین، ان مین سے دو دو چھکڑے زنجیر اور چمڑے سے متصل کر دیئے جاتے، اور دونون کے درمیان اتنی جگہ چھوڑ دی جاتی کہ چھ سات مٹی سے بھرے ہوئے توبڑے رکھے جا سکتے تھے، تفنگچی ان چھکڑون اور توبڑون کے عقب مین پناہ لے کر تفنگ اندازی کرتے تھے[۴]، کبھی توپون کو آہنی زنجیرون سے آ

---

[۱] آئین اکبری ص ۱۲۰، آئین دریا آبادی [۲] تیمور کی فوج کا اعلیٰ ترین عہدیدار امیر الامراء کہلاتا تھا (تزک تیموری ص ۱۰۹-۱۹۰) [۳] تیمور کی فوج کے ہراول مین اوتچیان، شمشیر داران و نیزہ داران و بہادران از مودہ کار ہوتے، (تزک ص ۱۹۹) [۴] دیکھو بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۲۶۴، طبقات اکبری جلد دوم ص ۱۳، منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۴۴، لفظ "توبرہ" اس کے معنی مین اختلاف ہے، اکبر نامہ جلد اول ص ۵۵ مین توبرہ کے بجائے تورہ ہے، بابر نامہ کے اردو ترجمہ مین اس کے معنی "جالی" لکھے گئے ہین اس سلسلہ مین طبقات اکبری کی عبارت یہ ہے:

"درمیان ہر دو ارابہ شش ہفت توبرہ تعبیہ نمایند تا تفنگ اندازان بروز معرکہ

مسلسل کر دیا جاتا تھا کہ دشمن یلغار اور یورش کر کے گھسنے نہ پاتے تھے[۱]، کبھی غنیم کی یورش کو روکنے کے لئے توپچیون کی صف کے آگے عمیق خندقین بھی کھودی جاتی تھین[۲]، ارابہ کے بعد اونٹون اور اونٹون کے بعد ہاتھیون کی قطار رہتی[۳]، اونٹون پر سے شتر نال اور زنبورک اور ہاتھیون پر ہتنال اور گجنال چھوڑی جاتی، ہاتھیون کے بعد برق انداز سوار ہوتے[۴]،

دیگ انداز، توپچی، برق انداز، تفنگچی، رعد انداز، اور برق انداز کی کثرت زیادہ تر ہراول، اور اس کے دونون بازوؤن پر ہوتی، مگر جرانغار، برانغار، اور قول کی اگلی قطارین بھی ان سے خالی نہین ہوتی تھین[۵]، اسی طرح کبھی کبھی ہر صف مین ہاتھی بھی ہوتے تھے[۶]، ہتنال اور گجنال کی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۶) درپناہ ارابہ و توبرہ بفراغت تفنگ توانند انداخت"

منتخب التواریخ مین یہ عبارت اور بھی واضح طریقہ پر لکھی گئی ہے:-

"درمیان ہر دو عرابہ شش ہفت توبرۂ پر خاک تعبیہ نمودند تا روز معرکہ تفنگ اندازان درپناہ عرابہ و توبرۂ پر خاک بفراغت توانند انداخت"

توبرہ کی وضاحت منتخب التواریخ کی توضیح سے ہو جاتی ہے، اس لئے ہم بدایونی ہی کو قابل قبول سمجھ کر "توبرۂ پر خاک" کو استعمال کرتے ہین [۱] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۳، انگریزی ترجمہ ص ۵۶۴، اکبر نامہ جلد اول ص ۱۰، نیز دیکھو اورنگ زیب اور دارا کی جنگ سموگڈھ کی تفصیل خافی خان جلد دوم ص ۲۱-۲۰، کرنال کی جنگ مین توپون کی زنجیر بند کیلئے دیکھو سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۸۲ [۲] ملاحظہ ہو، سلطان بہادر شاہ اور ہمایون کی جنگ طبقات اکبری جلد دوم ص ۳۳، اکبر نامہ جلد دوم ص ۴۰ و ۱۳۶ [۳] دارا اور اورنگ زیب کی جنگ جانشینی [۴] عمل صالح جلد دوم ص ۲۹۵، [۵] دیکھو بابر اور رانا سانگا کی جنگ کی تفصیل بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۱-۳۱۷، اکبر نامہ جلد اول ص ۱۰۹، عمل صالح جلد دوم ص ۳۶۵، بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۴۴۸-۴۴۵، نیز دیکھو منتخب اللباب حصہ دوم مین جاجو کی جنگ کی تفصیل ص ۵۸-۵۹، [۶] سلطان مظفر گجراتی سے اکبر کی فوجین معرکہ آرا ہوئین، تو ابوالفضل کا بیان ہے: "فیلان کوہ پیکر باد رفتار در ہر فوج شکوہ دیگر بخشیدند" (اکبر نامہ جلد سوم ص ۴۴، نیز دیکھو اڑیسہ کی جنگ اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۳ و ص ۱۳، ۶۱۲، کابل کی جنگ اکبر نامہ جلد سوم ص ۳۶۵)

کمی ہوتی، تو ہاتھیوں پر تیر انداز بٹھائے جاتے، تیر انداز بہادروں کے ہمراہ ایک ہاتھی اکثر ا سوار کا کام کرتا تھا[۵۱]، ہر صف میں ہاتھی کے پیچھے سوار ہوتے تھے، راجپوت سوار عموماً برچھے[۵۲] سے لڑتے تھے، مغل سواروں کا ہتھیار تیر و کمان تھا، ہر سوار کی کمر میں شمشیر یا تیغ یا تلوار آویزان[۵۳] ہوتی، کمر کی دوسری طرف کبھی کٹار یا خنجر ہوتا، بائیں کاندھے پر سپر یعنی ڈھال ہوتی، جو لڑتے وقت بائیں ہاتھ میں پکڑ لی جاتی، سواروں کے عقب میں پیادے ہوتے، تیموریوں کے زمانہ میں بڑی لڑائیوں میں پیادوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی تھی،

قول میں بادشاہ یا شہزادہ یا سپہ سالار عموماً ہاتھی پر حوضۂ زرین اور چتر[۵۴] و ور کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا تھا، وہ ایسی جگہ ہوتا کہ لشکر کے ہر حصہ سے دکھائی دیتا تھا، شاہی جنگی علم کبھی اس کے ہاتھی پر یا کبھی اس کے بالکل قریب دوسرے ہاتھی پر لہراتا رہتا تھا[۵۵]، آس پاس دوسرے ہاتھیوں پر فوجی باجوں کی مختلف قسمیں بھی ہوتیں[۵۶]، بادشاہ یا شہزادہ کی عماری میں اس کی کوئی چہیتی اولاد بھی ہوتی[۵۷]، اس کے ہاتھی کے دونوں جانب اعیان سلطنت اور اولیان دولت گھوڑوں پر سوار رہتے تھے، کبھی کبھی علماء و فضلاء کی بھی جماعت ساتھ ہوتی تھی[۵۸]، بادشاہ یا سپہ سالار قول سے کوئی حکم صادر کرتا تو اس کو

---

[۵۱] آئین اکبری باب آئین فیل خانہ مثال کے لئے دیکھو راجہ بھگونت داس کے اسلحہ اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۱۵ [۵۲] عمل صالح جلد دوم ص ۵ [۵۳] تیمور جب جنگ میں شریک ہوتا، تو قلب میں علم کے نیچے ہی جلوہ افروز رہتا، ملفوظات تیموری الیٹ جلد سوم ص ۴۳۹ [۵۴] مثال کے طور پر دیکھو، سموگڈھ میں دارا کی فوج کی ترتیب [۵۵] نورجہان مہابت خان سے جنگ کر رہی تھی تو اس کی عماری میں شہریار کی لڑکی، اسکی انگہ اور حبیبہ شاہ نواز خان ساتھ تھی، (اقبال نامہ جہانگیری ص ۲۶۳-۲۶۴) اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے لڑکوں میں جنگ، جانشینی ہوئی، تو شہزادہ اعظم کے لڑکے بیدار بخت کے ہاتھی پر اس کا کمسن بچہ بیدار دل تھا، خود شہزادہ اعظم کے ساتھ اس کا لڑکا شہزادہ علی تبر تھا، اسی جنگ میں اعظم شاہ کے لڑکے شہزادہ والا جاہ کی موری ہاتھی کے ہودج ہی میں ایک آتشین گولہ کی زد میں آکر جان بحق ہوئی، (منتخب اللباب ص ۵۹۳) [۵۶] ظفر نامہ ج ۲ ص ۱۰۱

مختلف حصوں میں تواچی[۵۹]، یساول، یا منزاول[۶۰] پہنچاتے، یہی یساول اور منزاول اس کی نگرانی بھی کرتے کہ ہر لشکری اپنی جگہ پر ہو، احکام کی پابندی سختی سے عمل میں آتی، عدول حکمی کی سزا موت تھی[۶۱]،

چنداول قلب کے پیچھے ہوتا، اس کی فوجیں عقب سے غنیم کی یورش روکنے کے لئے مستعد رہتیں، شاہی حرم کی بیگمات اور فوجی کیمپ کی نگہبانی بھی کرتیں کچھ فوجیں کمین گاہوں میں بھی پوشیدہ ہوتیں،

صفوں کو ترتیب دیتے وقت مختلف صفوں کے درمیان اور پھر ہر صف میں جا بجا اتنا خلا اور گذرگاہ چھوڑی جاتی تھی کہ عقب کے لشکر کے سامنے کی چیزیں دیکھی جا سکیں، اور ضرورت کے وقت مختلف گذرگاہوں سے سواروں کے گھوڑے آسانی سے گذر سکیں[۶۲]، ایک صف سے دوسری صف کا فاصلہ کبھی نصف کوس اور کبھی تیر پرتاب کا ہوتا[۶۳]،

ہر صف کے گھوڑوں کی نگہبانی کے لئے ایک اخور بک، ہاتھی کے لئے ایک شحنۂ پیل، آتشین اسلحہ کے لئے ایک میر آتش، اور عام اسلحہ کے لئے داروغہ قور خانہ یا قوربیگی ہوتا، قوربیگی کے ہاتھ میں شاہی علم بھی ہوتا،

(باقی)

---

[۵۷] ملفوظات تیموری الیٹ جلد سوم ص ۴۳۶، بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۵، اکبر نامہ جلد اول ص ۱۰۷، جلد سوم ص ۲۳ [۵۸] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۵، عالمگیر نامہ جلد اول ص ۲۳۵ [۵۹] منتخب اللباب ص ۵۹، اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۳، و ص ۱۲۲، تزک جہانگیری ص ۲۵۳ [۶۰] تزک تیموری میں ہے:

"دام نمودم کہ با میر ہر فوج کہ فرمان یورلیغ فرستم مطابق حکم یرلیغ نمایند، و از آن تخلف نورزند، و ہر کس از بیگلر بیگیان و امرا از حکم تخلف و تجاوز نماید وی را بہ شمشیر بگذرانند و کوتل ویرا کہ منتظر الامارت باشد بجاے وے نصب کنند" (ص ۲۰۲)

بابر نامہ میں ہے:

"چون ارکان لشکر قائم گشتہ ہر کس بجاے خود شتافت، فرمان واجب الاذعان لازم الامتثال شرف اصدار یافت کہ ہیچکس بے حکم از محال خود حرکت نماید و بے رخصت دست بکار نکشاید" (بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۱۵) [۶۲] بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۳۰۴ [۶۳] ایضاً

ہندوستان کے عربی شعراء پر ایک نظر

از

جناب ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی استاذ مدرسۂ عالیہ کلکتہ

اہل عجم کی ترقی وعروج کیساتھ ساتھ فارسی زبان بھی پروان چڑھی، اور یہی اُن کے دربارون کی زبان بنی، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہین کہ ان کو زبان عربی کے ساتھ اعتنا نہ تھا، کیونکہ ہمین ان ہی زبانون مین زمخشری، رشید الدین وطواط، حسن صغانی، عبد القاہر جرجانی، بدیع الزمان ہمدانی، خطیب تبریزی، ابوبکر خوارزمی جیسے سیکڑون ائمۂ لغت واعیان شعر وادب کے نام ملین گے، جو آسمان عجم ہی کے مہر وماہ تھے، اہل عجم نے عربی کی خدمت اپنی مادری زبان سے کم نہین کی، وہ اُن کی مذہبی زبان تھی، اس لئے اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور آج تک اسی نگاہ سے دیکھی جارہی ہے،

عربی شاعری جب صحرا سے نکل کر اہل بادیہ کی عنجہیت اور مخضرمین کی عبقریت کھو بیٹھی، اور ادبا، مولدین، عربون کی فطری سادگی، اور اُن کی خالص عربی تعبیر واسلوب کو زیادہ دنون تک قائم نہ رکھ سکے، تو رفتہ رفتہ اس صحرائی ادب کی معصوم سادگی عجم کے صنائع وبدائع کی زنگا رنگی مین گم ہوگئی،

اہل عجم نے اپنے خیالات کو عربی قالب مین ڈھالا، قوانین وضوابط قیاسیہ کو برتنے مین وہ بیشک کامیاب رہے، لیکن اس تعبیر واسلوب کو نہ پاسکے، جو خالص عربی اسلوب کہا جاتا ہے، قواعد علمیہ کے ذریعہ کسی زبان کے تمام اسالیب وطرق کا احاطہ نہین کیا جاسکتا کہ ان کا جاننے والا اپنے مافی الضمیر کو اس زبان کے مخصوص طریقہ مین بالکل اسی طرح تعبیر کرسکے جس طرح ایک اہل زبان ادا کرتا ہے،

اس کے لئے اس زبان کے اسالیب کی دائمی مزاولت وتتبع شرط ہے،

عجمی ادبار کے کلام مین سب سے بڑی خامی اسی "اسلوب" کی ہے، ان کا کلام رفعت خیال، جدت طرازی، امیال وعواطف اور دوسرے اوصاف کے لحاظ سے کتنا ہی بلند ہو، لیکن اس مین عربون کے مخصوص انداز بیان کا فقدان نظر آتا ہے، اس لئے وہ نقادان سخن کی نگاہون مین نہین جچتا، چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے،

وبهذا الاعتبار كان الكثير ممن لقيناه من شيوخنا في هذه الصناعة الادبية يرون ان نظم المتنبي والمعري ليس هو من الشعر في شيء لانهما لم يجريا على اساليب العرب (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۸۳)

اسی اعتبار سے فن ادب کے اکثر شیوخ جن سے میری ملاقات ہوئی، یہ رائے رکھتے تھے کہ متنبی ومعری کی نظمین کسی حیثیت سے بھی شعر نہین، اس لئے کہ یہ دونون اسالیب عرب پر نہین چلے،

ہندوستان کی تاریخ سے اگر سندھ کی عربی حکومت کو الگ کردیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہان عربی ان مسلم فاتحین ہی کے ذریعہ آئی جن کے دربارون مین حسن بن اسحاق فردوسی، ملک الشعراء احمد عنصری، ابوالحسن رودکی، فرخی، علی خرنی وغیرہ کا طوطی بول رہا تھا، انہی دربارون مین قفال مروزی، ابونصر عراق، ابوریحان البیرونی، ابوالحسن الخمار جیسے حکما بھی ملین گے، جنھون نے اپنی قیمتی تحقیقات ومعلومات سے عربی زبان کو مالامال کیا،

ہندوستان کی شاہی زبان غزنوی وغوری دور سے لیکر تیموریون کے خاتمہ تک فارسی رہی، لیکن ہر دور مین یہان علما، کی ایسی جماعتین بھی رہین، جو عربی ادب ولغت کو بھی فروغ دیتی رہین، آج جن کی صرف مختصر سی فہرست ہمارے سامنے ہے، لیکن معلوم نہین ماضی کے دھندلکے مین ایسے کتنے درخشندہ تارے ہم سے ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگئے، اس مختصر فہرست پر نظر ڈالئے تو آپ کو حدیث نبوی

کے خدام بھی ملین گے فقہ و فرائض کے حامل بھی لغت کے امام بھی ملین گے، شعر و ادب کے نغمون بھی[1] صغانی کا تذکرہ پڑھئے تو ایک طرف لغت و انساب کا دریا امنڈتا نظر آئیگا تو دوسری طرف مشارق الانوار کی شمعین دلون کو روشن کرتی دکھائی دین گی، یہی منظر سید مرتضیٰ زبیدی[2] کے یہان بھی مشاہدہ مین آئے گا، تاتارخان[3] اور اورنگزیب عالمگیر رحمہما اللہ کے دربارون مین علماے کبار نے تدوین و تصنیف کے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے، غرض ایسی بہت سی شخصیتین ہین، جن مین سے صرف دو چار کے نام لئے گئے،

آیندہ سطرون مین دور گذشتہ کے چند ایسے ادباء پیش کئے جائین گے، جنھون نے اپنے تاثرات کو عربی نظم مین ظاہر کیا، اس لئے عربی شاعری مین ان کے ذوق کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ عربون

---

[1] رضی الدین ابو الفضائل حسن بن محمد بن حسن بن حیدر عمری صغانی ۵۷۷ھ مین بمقام لاہور پیدا ہوئے، آبا و اجداد صغان یا صغانیان (چغانیان) ماوراء النہر کے رہنے والے تھے، اسی انتساب سے صغانی یا صاغانی کہلائے، ۶۵۰ھ مین بغداد مین انتقال کیا، اور مکہ مین مدفون ہوئے، حدیث و لغت کے مشہور امام تھے، مشارق الانوار حدیث مین شوارد، تکملۃ الصحاح، مجمع البحرین، العباب الزاخر واللباب الفاخر لغت مین آپ کی مشہور تصنیفات ہین، کتاب العباب مکمل نہ ہو سکی تھی، مادہ "بکم" تک پہنچے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا، (الجاسوس احمد شدیاق) بعد مین کسی نے اس کی تکمیل کی، علامہ زبیدی نے مادۂ "خصی" مین خصی الرجل کے معنی بیان کرنے کے بعد نقل کیا ہے، "نقلہ الصاغانی وھو مجاز" اس قول کی نسبت صغانی کی طرف صحیح نہین (مقالہ عبد اللہ البستانی مناظرۃ لغویہ ادبیہ ص ۹۰) [2] سید ابو الفیض محمد مرتضیٰ ابن محمد بن محمد بن عبد الرزاق الواسطی البلگرامی، زبید مین مدتون مقیم رہے، اس لئے زبیدی کہلائے، ۱۱۴۵ھ مین بلگرام مین پیدا ہوئے، ۱۲۰۵ھ مین مصر مین انتقال کیا، (تاریخ جبرتی) قاموس کی مشہور شرح تاج العروس آپ کی تصنیف ہے، جو ۱۱۸۱ھ مین اختتام کو پہنچی [3] فیروز شاہ تغلق متوفی ۷۹۰ھ کے دربار کا مشہور امیر جو خود بڑا فاضل اور علماء و فضلاء کا قدر دان تھا، تفسیر تاتارخانی و فتاویٰ تاتارخانی اسی کی طرف منسوب ہین، مزید تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۲،

سے اتنے دور رہکر بھی انھون نے کس حد تک ادب عربی کی خدمت کی، عرصہ ہوا، ایک صاحب عبد الرشید بریلوی نے الشعر العربی فی الہند پر تلاش و تحقیق ... کا کام شروع کیا تھا، معلوم نہین انجام کو پہنچا یا نہین،

(۱) مسعود بن سعد بن سلمان

سعد بن سلمان[1] ہمدان سے لاہور آیا، اور یہین توطن اختیار کر لیا، کئی اولادین ہوئین، ان مین سے مسعود نے بڑی شہرت و ناموری حاصل کی،

مسعود کے مولد[2] و منشا مین تذکرہ نویسون کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ مسعود لاہور ہی مین پیدا ہوا، اور وہین تعلیم و تربیت حاصل کی، ولادت کے سال متعین نہین ہے، البتہ اتنا متیقن ہے کہ ۴۳۸ھ اور ۴۴۰ھ کے مابین اس کی پیدائش ہوئی،[3]

۴۶۹ھ مین سلطان ابراہیم بن مسعود بن سبکتگین کی طرف سے شہزادہ ابو القاسم سیف الدولہ محمود حکومت ہندوستان پر متعین ہوا، اس وقت مسعود سعد سلمان ابو القاسم سیف الدولہ کے ملازمین خاص مین شامل ہو گیا،

قیاس ہے کہ ۴۷۰ھ کے حدود مین مسعود کی رسائی غزنوی دربار تک ہوئی،

حدود ۴۸۰ھ مین سلطان ابراہیم کو سیف الدولہ محمود کی طرف سے بدگمانی پیدا ہوئی[4] اس کا سبب یہ ہوا کہ سلطان کو یہ خبر ملی کہ سیف الدولہ محمود ملک شاہ سلجوقی (۴۶۵ھ - ۴۸۵ھ) سے ربط پیدا کر رہا ہے اور عراق جانے کا ارادہ رکھتا ہے، اس خبر سے مشوش ہو کر سلطان نے سیف الدولہ محمود اور اس کے ندماء و حوارین کو گرفتار کر کے مختلف قلعون مین قید کر دیا، اسی سلسلہ مین مسعود بھی قید کیا گیا،

---

[1] ملاحظہ ہو سبحۃ المرجان ص ۲۰، چہار مقالہ بہ تصحیح و تحشیہ محمد بن عبد الوہاب قزوینی ص ۲۰، ۴۵، ۴۶، ۱۴۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۷۸، ۱۸۲، ۲۰۷، مطبوعہ بریل لیڈن [2] چہار مقالہ ص ۱۴۳ [3] ایضاً ص ۱۴۵، [4] نظامی عروضی نے اس کو ۴۷۲ھ ہجری کا واقعہ بتایا ہے (چہار مقالہ، مقالہ دوم ص ۴۴) لیکن یہ صریحاً غلط ہے، تفصیل کے لئے دیکھو (ص ۱۷۸، ۱۷۹)

اور دس[1] سال تک قید کی شقتیں مختلف قلعوں میں جھیلتا رہا۔ سات سال تو قلعۂ "سو" اور قلعۂ "دھک" میں گذارے، بقیہ تین سال قلعۂ "نائے"[2] میں چنانچہ خود کہتا ہے،

ہفت سالم بکوفت "سو" و "دھک" پس از آنم سہ سال "قلعۂ نائے"،

پھر سلطنت کے ایک رکن ابوالقاسم کی سفارش سے سلطان ابراہیم نے عفو تقصیر کیا، اور مسعود کو رہائی نصیب ہوئی،

سلطان ابراہیم خود شاعر اور شاعروں کا قدردان تھا، علامہ آزاد بلگرامی کا بیان ہے:۔

"وکان شاعراً یحب الشعراء	(خزانۂ عامرہ ص ۳۸۰)	شاعر اور شعراء کا محب تھا، بڑے بڑے
یعطیھم صلات وجوائز فخیمۃ		انعامات وعطایا معمولی قطعہ و رباعی کے
علی ادنیٰ شعر من القطعۃ والدّوبیت"		صلہ میں دیا کرتا تھا،

سلطان ابراہیم نے ۴۵۱ھ سے ۴۹۲ھ تک سلطنت کی، باتفاق مورخین اس کا انتقال ۴۹۲ھ میں ہوا، البتہ ابن الاثیر سے سہو ہو گیا ہے، اس کے بیان کے مطابق سنہ وفات ۴۸۱ھ ہے، جو تمام تذکرہ نگاروں کے خلاف ہے،

سلطان ابراہیم کے بعد اس کا لڑکا علاء الدولہ مسعود سریر آرائے سلطنت ہوا، علاء الدولہ ۵۰۸ھ تک حکمران رہا۔ اس نے اپنے دور میں ہندوستان کی حکومت اپنے ولی عہد عضد الدولہ شیرزاد کے

---

[1] نظامی عروضی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) کل مدت حبس بارہ برس کی تھی (۲) اور سلطان ابراہیم نے اپنی حیات میں مسعود کو رہائی نہیں دی (چہار مقالہ ص ۴۵) لیکن دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں (دیکھو ص ۶۴ - ۶۷، تحشیہ محمد قزوینی [2] مسعود دو مرتبہ قید کیا گیا، پہلی دفعہ تین قلعوں میں دس سال تک قید رہا (۱) قلعۂ نائے جس کے متعلق صرف حمد اللہ مستوفی نے نزہۃ القلوب میں اتنا لکھا ہے کہ قلعۂ نائے محبس مسعود سعد سلمان است" تمام تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ قید کی پوری مدت قلعۂ نائے میں گذری

سپرد کی، اور ابونصر ہبۃ اللہ فارسی کو اس کا مشیر و وزیر بنایا، ابونصر فارسی اور مسعود کے تعلقات دوستانہ تھے، اس کے بعد پھر مسعود کا ستارۂ اقبال چمکا، ابونصر نے جالندر کی حکومت پر مسعود کو سرفراز کیا، لیکن بہت جلد ابونصر معتوب ہو گیا، اس لئے مسعود بھی معزول کیا گیا، اور دوبارہ جیلخانہ بھیج دیا گیا، اس مرتبہ آٹھ نو سال تک حصار مرنج میں قید رہا۔ چنانچہ کہتا ہے،

در مرنجم کنون سہ سال و بود کہ ببندم درین چو دوزخ جائے

آخرکار ۵۰۰ھ میں ثقۃ الملک طاہر[1] بن علی بن مشکان کی سفارش پر رہائی نصیب ہوئی،

مسعود یمین الدولہ بہرام شاہ بن مسعود بن ابراہیم (۵۱۱ھ - ۵۵۲ھ) کے ابتدائی عہد تک بقید حیات رہا۔ اسی سال کی عمر میں ۵۱۵ھ میں انتقال کیا،

مسعود ہندی اور فارسی کے ساتھ عربی کا بھی قادر الکلام شاعر تھا، تینوں زبان میں اس کے دیوان تھے، لیکن عربی اور ہندی دیوان بقول آزاد بلگرامی "طارت بھما العنقاء" بالکل ہی ناپید ہو گئے، البتہ فارسی دیوان ہندوستان و ایران میں متداول و متعارف رہا۔ فارسی دیوان[2] اس کی حیات ہی میں سنائی غزنوی نے مرتب کیا تھا، سنائی نے دوسروں کے اشعار کو غلطی سے مسعود کا سمجھ کر اس میں شامل کر لیا تھا، بعد میں جب طاہر بن علی مشکان نے اس غلطی سے آگاہ کیا تو سنائی نے ایک قطعہ مسعود کے پاس معذرت میں بھیجا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۴) لیکن یہ صحیح نہیں، نظامی عروضی کہتا ہے کہ قلعۂ نائے وجیرستان میں واقع ہے، لیکن نہ تو وجیرستان کے متعلق صحیح علم حاصل ہو سکا، اور نہ قلعۂ نائے کی جائے وقوع معلوم ہو سکی (۲) دوسرا قلعۂ دھک ہے، جو زرنج پایۂ تخت سیستان اور "بست" کے درمیان واقع تھا (۳) تیسرا قلعۂ "سو" ہے جس کا مقام معلوم نہیں، دوسری دفعہ مسعود قلعۂ مرنج میں قید کیا گیا، مرنج کے متعلق برہان قاطع میں ہے کہ قلعہ ایست در ہندوستان (چہار مقالہ ص ۱۶۹) (ص ۱۰) [1] طاہر سلطان مسعود بن ابراہیم کا وزیر تھا، لب الالباب جلد ۲ ص ۲۴۶ چہار مقالہ ص ۱۵۲ [2] چہار مقالہ ص ۱۴۶ ،

مسعود کی عربی شاعری کے لئے یہ سند کافی ہو کر رشید الدین وطواط جیسا ادیب اس کے حسن تخیل، انسجام بیان وجودت کلام کی شہادت دیتا ہے، حدائق السحر[۵۱] میں وطواط نے مسعود کے کچھ عربی اشعار بطور استشہاد نقل کئے ہیں، آج اسی کے ذریعہ مسعود کے عربی کلام کا نمونہ ہم کو ملتا ہے براعۃ المطلع کی مثالوں میں وطواط نے ایک مطلع مسعود کا بھی پیش کیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہے،

تق بالحسام فعهده ميمون   واركب وقل للنصر كن فيكون

تورِیہ کی مثالوں میں مسعود کے حسب ذیل اشعار نقل کئے ہیں،

وليل كأن الشمس ضلت ممرها   وليس لها نحو المشارق مرجع

نظرت اليه والظلام كأنه   على العين غربان من الجو وقع

فقلت لقلبي طال ليلي وليس لي   من الهم منجاة وفي الصبر مفزع

أرى ذنب السرحان في الجو طالعا   فهل ممكن ان الغزالة تطلع

وطواط ہی کی زبانی چند اشعار ذو قافیتین بھی سن لیجئے،

يا ليلة اظلمت علينا   ليلاء قارية الدجنه

قد أركضت في الدجى علينا   دهما خدارية الأعنه

فبت اقتا مها فكانت   حبلى نهارية الأجنه

مذکورہ بالا اشعار میں قاریہ، خداریہ، نہاریہ، قافیۂ اولی اور دجنہ، اعنہ، اجنہ قافیۂ ثانیہ ہیں

مسعود کے بعد ایک طویل خاموشی چھا جاتی ہے، تاآنکہ ۷۰۳ھ میں قاضی عبد المقتدر بن قاضی رکن الدین شریحی کندی پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنی نوا سنجی سے اصحاب ذوق کی روح کو بالیدگی بخشی، قاضی صاحب حضرت شیخ نصیر محمود چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ) کے خلیفہ اور مشہور فاضل قاضی

[۵۱] سبحۃ المرجان

شہاب الدین دولت آبادی کے استاد تھے، قاضی صاحب کا قصیدہ لامیہ جو لامیۃ العجم طغرائی کے معارضہ میں ہے، اُن کے مذاق سلیم کا بین ثبوت ہے، آپ کی وفات ۷۹۱ھ میں ہوئی، حوض شمسی کے قریب خانقاہ شیخ عبد الصمد میں مدفون ہوئے[۵۲]

قاضی عبد المقتدر کے معاصر و برادر طریقت مولانا احمد تھانیسری کا قصیدہ دالیہ بھی ہندوستان کے قدیم عربی ذوق کا اعلیٰ نمونہ ہے، ان بزرگوں کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وہ ہندیت نہیں، جو پچھلے دور کے اعیان شعر و ادب کے کلام میں عموماً پائی جاتی ہے، محمد مومن شیرازی[۵۳] (م ۱۱۱۸ھ) سید عبد الجلیل بلگرامی (۱۰۷۱ھ۔۱۱۳۸ھ) سید محمد بلگرامی (۱۱۰۱ھ۔۱۱۸۵ھ) طفیل محمد اترولوی (۱۱۰۳ھ۔۱۱۵۱ھ) علامہ آزاد بلگرامی وغیرہ بلند پایہ ادبا تھے، عربی لغات اور محاورات اُن کی نوک زبان تھے، پھر بھی اُن کے کلام میں عجمیت کا اثر ہے، جس سے اُن کی فنی قابلیت داغدار نظر آتی ہے، علامہ عبد الجلیل بلگرامی کے دو شعر ہیں،

حبيبي قوس حاجبه كنون   وصاد يد ابن مقلة شكل عينه

لعمري انه نص جلي   على ان الرماية حق عينه

اس کو سنتے ہی نقاد فن یا تو یہ خیال کرے گا کہ کسی ماہر فن خطاط کا شعر ہے یا یہ کہ کسی اصولی و فقیہ کے پرواز خیال کا نتیجہ ہے، سید محمد بلگرامی کے بھی دو شعر سن لیجئے،

بروحي سلمى قد اتتني كرامة   وساعد في فيها زمان مبشر

لقد ذقت من فيها مزيد حلاوة   نعم شفتاها سكر و مكرر

محمد مومن شیرازی جس نے اپنا دیوان "ثمر الفواد" سرزمین سندھ میں مرتب کیا تھا، اس کے چند اشعار یہ ہیں :-

[۵۲] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر، سبحۃ المرجان و اخبار الاخیار ص ۱۵۰ [۵۳] سبحۃ المرجان ص ۹۰، ۱۰۰

یشق علی الموت فی ارض غربۃ　　یقل صراخ النائحات علی قبری

تقضت لیال کنت اجھل قدرھا　　سفاھا وما ادریک مالیلۃ القدر

وجاءت لیال ما أشد سھادھا　　بھا عذبت روحی الی مطلع الفجر

وقائلۃ صبرا علی ما اتی وقد　　فقلت وھل شئی أمر من الصبر

بلی اتذ اوی داء صبری بمثلہ　　کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

البتہ حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) اور شاہ عبدالعزیز (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) کے قصائد و مقطوعات مین ایک خاص جاذبیت و سادگی پائی جاتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ کے کلام کا مجموعہ "طیب النغم فی مدح سید العرب والعجم" شائع ہو چکا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز کے اشعار و قطعات جو مختلف رسائل و کتب مین نظر آتے ہین، آپ کی فصاحت و بلاغت کا آئینہ ہین، آپکے چند اشعار ملاحظہ ہون،

یامن یسئل عن دھلی ودفعتھا[1]　　علی البلاد وما حازتہ من شرف

ان البلاد إماء وھی سیدۃ　　وانھا درۃ والکل کالصدف

فاتت بلاد الوری عزا ومنقبۃ　　غیر الحجاز وغیر القدس والنجف

کیا ان اشعار کے مطبوع و حسین ہونے مین کچھ کلام ہو سکتا ہے ؟

اس سلسلہ مین علامہ آزاد بلگرامی کے کلام پر تبصرہ کرنا ضروری ہے، اگرچہ آزاد پر ایک طویل مقالہ معارف کے قدیم پرچون مین قسط وار شائع ہو چکا ہے، اور مقالات شبلی[2] مین بھی ان پر ایک قیمتی مضمون موجود ہے، تاہم اُن کی بعض خصائص و مزایا پر روشنی ڈالے بغیر یہ مضمون ناقص رہے گا، اس لئے اُن کے مختصر حالات اور شاعری کی بعض خصوصیات پر تبصرہ ضروری ہے،

[1] حالات خاندان عزیزی ص ۴۸، ص ۴۹ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۱۹

آزاد بلگرامی

سید غلام علی آزاد بن سید نوح حسینی واسطی بلگرامی، یوم یکشنبہ ۲۵ صفر ۱۱۱۶ ہجری مین بمقام بلگرام پیدا ہوئے،

تمام کتب درسیہ سید طفیل محمد اترولوی کی خدمت مین پڑھین، اپنے نانا سید عبدالجلیل بن سید احمد بلگرامی نور اللہ ضریحہ سے لغت اور سیرت کی تحصیل کی، انہی سے حدیث مسلسل بالاولیہ، حدیث الاسودین اور اکثر کتب احادیث و سنن نبویہ کی سند و اجازت حاصل کی، عربی و فارسی دواوین کی اجازت بھی انہی سے لی، عروض و قوافی اپنے ماموں سید محمد بن سید عبدالجلیل بلگرامی سے حاصل کئے اور حضرت سید لطف اللہ بلگرامی المتوفی ۱۱۴۳ھ سے بیعت کی،

۱۱۴۳ھ مین سیوستان پہنچے[1] اور سید محمد کی جگہ ۱۱۴۵ھ تک بخشیگری اور وقائع نگاری کے عہدہ پر مامور رہے، سفر سیوستان کا حال اپنی ایک مثنوی مین لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہین؛

بیا اے خامہ راہ نامہ سر کن　　با قلیم سخن عزم سفر کن

نخستین گیر نام فیض بسر　　فروغ مکرمت سید محمد

بکار نیک توفیقش رفیق ست　　مرا خال حقیقی و شفیق است

بسیوستان عظیم الاقتدار است　　کہ آنجا بخشی و واقع نگار است

چو آنجا مدتِ دہ سال ماندہ　　مرا بہر نیابت باز خواندہ

کہ خود سوے وطن تشریف آرد　　مرا بر عہدہ خدمت گذارد

سید محمد آزاد کو اپنی جگہ چھوڑ کر بلگرام روانہ ہوئے، اسی اثنار مین ایک شخص عبدالعزیز تتوی (ٹھٹھوی) نے بخشی گری و وقائع نگاری کی خدمت پر اپنا تقرر کرالیا، لیکن سید محمد نے دوبارہ اس کو حاصل کرلیا، اور ۱۱۴۵ھ مین پھر اپنے عہدہ پر آگئے، چنانچہ سنہ مذکور کے واقعات قلمبند کرتے ہوئے

[1] سبحۃ المرجان ص ۱۰۸، و تبصرۃ الناظرین (ذکر سنہ ثلاث واربعین و مایۃ والف) مصنفہ سید محمد (قلمی)

رقمطراز ہیں :۔

"درین سال راقم الحروف بعد زانکہ خدمت بخشی گری و وقائع نگاری سرکار سیوستان تابع صوبہ ملتان بنام خود از حضور انور بحال و مقرر نمود و مطالب مانی الضمیر تیسیر پذیر گشت، اہلِ خانہ خود را از وطن طلب داشتہ بتاریخ ہفدہم شہر جمادی الاولیٰ از دار الخلافہ شاہجہان آباد بعزم ولایت سند بر آمدہ بعد طے مراحل و قطع منازل مع مردم وطن و قبائل بخیر و عافیت باحسن احوال با جان و مال بتاریخ بست و پنجم رمضان المبارک روز پنجشنبہ ببلدۂ سیوستان رسیدہ سرگرم کار بادشاہی گردید و مخالف کہ سند خدمت بنام خود حاصل کردہ بود حیران و سراسیمہ و پریشان شد و دخل نیافت"[1]

اس کے بعد علامہ آزاد سیوستان سے واپس آگئے، ۱۱۵۱ھ میں تن تنہا ارضِ حجاز کا سفر کیا، اس سفر کا حال اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے شوق کا نقشہ سبحۃ المرجان میں اپنی کلک گہر بار سے کھینچا ہے، اور ایک مثنوی "طلسم اعظم" میں بھی حالاتِ سفر کو بیان کیا ہے، روانگی کی تاریخ "سفر خیر" سے اور واپسی کی تاریخ "سفر بخیر" سے نکلتی ہے، ۱۱۵۱ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، اس کا مادۂ تاریخ "عمل اعظم" ہے،

مدینہ طیبہ کے قیام کے زمانہ میں محدث جلیل حضرت شیخ محمد حیات سندی[2] کے خرمن علم سے

[1] تبصرۃ الناظرین، پیشِ نظر نسخہ صدیقی محترم مولوی ابو سلمہ شفیع احمد استاذ مدرسہ عالیہ کا نقل کردہ ہے، جو ٹونک لائبریری کے مخطوطے سے منقول ہے۔ [2] آپ نے عنفوانِ شباب میں حرمین شریفین کا سفر کیا، مدینۃ النبی میں اقامت پذیر ہو گئے، شیخ ابو الحسن سندی نزیل مدینہ سے شرف تلمذ تھا، شیخ عبد اللہ بن سالم بصری سے حدیث کی اجازت لی، یوم چہار شنبہ ۲۶ صفر ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی، بقیع غرقد میں مدفون ہیں، اپنا نسب خود لکھا ہے: "والد الفقیر محمد حیات السندی اسمہ ملا فلاریہ من قبیلۃ جاچڑ الساکن فی اطراف عادل پور والسید موسیٰ القادری، الساکن فی کوتہ یعرفہ انتہی" سبحۃ المرجان ص ۹۵،

خوشہ چینی کرتے رہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں[1]

"وقرأت أیاما تامتھا صحیح البخاری	میں نے قیام مدینہ کے دوران میں اپنے
علیٰ شیخی ومولائی صاحب الجلالۃ	بلند مرتبہ شیخ حضرت محمد حیات سندی
السنی الشیخ محمد حیاۃ السندی	قدس سرہٗ سے صحیح بخاری پڑھی صحاح
المدنی قدس سرہ واخذت	ستہ اور ان کے تمام مقروات کی اجازت
عنہ اجازۃ الصحاح الستۃ	لی، اور ان کی ذات بابرکت سے مستفید ہوا،
وسائر مقروءاتہ واقتطفت	
ثمارا ایانع من غصون برکاتہ	

(سبحۃ المرجان صفحہ ۱۰۲)

مکہ معظمہ میں شیخ عبد الوہاب طنطاوی مصری (م ۱۱۵۷ھ) کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، احادیث و آثار نبویہ کے متعلق فوائد و معلومات حاصل کئے، ایک دن شیخ سے اپنے تخلص "آزاد" کا ذکر کیا، اور اس کے معنی بتائے تو اُن کی زبانِ مبارک سے یہ کلمہ بشارت نکلا، "یا سیدی انت من عتقاء اللہ"

حجاز مقدس کی زیارت سے واپس آکر اورنگ آباد میں قیام کیا، اور حضرت شاہ مسافر غجدوانی المتوفی ۱۱۲۶ھ کی خانقاہ میں ۱۱۵۹ھ تک یعنی تقریباً سات برس رہے، اواخر ۱۱۵۹ھ میں نواب نظام الدولہ ناصر جنگ بن نواب نظام الملک آصفجاہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے بڑی قدر و منزلت کی، اور سفر و حضر میں برابر اپنے ساتھ رکھنے لگے، ۱۱۶۱ھ میں جب خود ناصر جنگ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو جناب کا اصرار ہوا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کوئی بڑا منصب عز و جاہ حاصل کریں، لیکن علامہ آزاد کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں تھی، جواب دیا،

[1] سبحۃ المرجان ص ۱۰۲،

مثل هذه الدنیا مثل نهر — اس دنیا کی مثال نہر طالوت کی ہے کہ

طالوت غرفة منه حلال — اس کا ایک گھونٹ (بقدر ضرورت)

والزیادة علیها حرام — حلال اور اس سے زیادہ حرام ہے،

یہ شرف صرف ناصر جنگ کو حاصل ہے کہ علامہ آزاد نے اُن کی شان میں دو شعر کہے، ورنہ انھوں نے کبھی کسی امیر کبیر کی تعریف نہیں کی، وہ اشعار یہ ہیں :-

هو ناصر الاسلام سلطان الوری — ابقاه فی العیش المخلد ربه

حاز المناقب والمآثر کلها — جل الوقار بحینا و بخبه

علامہ آزاد نے اورنگ آباد ہی میں اپنی مشہور کتاب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان تصنیف کی، اور یہیں ۱۱۹۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا،[51] تاریخ وفات "غلام علی آزاد" سے نکلتی ہے، لیکن نواب صدیق حسن خان نے ایک جگہ یہ تصریح کی ہے، کہ ۱۲۰۰ھ میں اُن کی وفات ہوئی،[52]

آزاد کی وطنیت

آزاد کو اپنے وطن کے ذرہ ذرہ سے بڑی محبت تھی، اسی جذبہ وطن پرستی میں وہ سرزمین ہند ہی کو نور محمدی کی پہلی جلوہ گاہ کہتے ہیں، سبحۃ المرجان کے ابتدائی صفحات میں اپنی پوری قوت بیان ہندوستان کی برتری و تفوق کے اثبات میں صرف کرنے کے بعد فرماتے ہیں[53] :-

قد أودع الخلاق آدم نوره — متلألأ کالکوکب الوقاد

والهند مهبط جدنا ومقامه — قول صحیح جید الاسناد

فسواد ارض الهند ضائبة — من نور احمد خیرة الامجاد

وطن کی فضیلت ایک اور شعر میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں،

---

[51] سبحۃ المرجان ص ۱۲۲ [52] ابجد العلوم ص ۹۲۲ [53] ابجد العلوم ص ۲۱۳، [54] سبحۃ المرجان ص ۲۴،

إن تبتغوا ماء الحیوة فذلکم — فی الهند لا فی موضع الظلمات[51]

آزاد کی شاعری

عربی و فارسی ادب میں علامہ آزاد کا درجہ محتاج تشریح نہیں، ان دونوں زبانوں کے علاوہ ہندی پر بھی ان کو پورا عبور حاصل تھا، اور اس میں وہ مہارت تامہ رکھتے تھے، مسعود لاہوری کا بھی یہی کمال تھا کہ اُسے بھی تینوں زبانوں پر قدرت تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ آزاد فرماتے ہیں[52] :-

"وهو مثلی عارف بالالسنة — وہ میری طرح تینوں زبانوں کا جاننے

الثلاثة وصاحب الثلاثة — والا، اور تین دواوین عربی، فارسی،

دواوین العربی والفارسی و — ہندی رکھتا ہے، میرے دو دیوان عربی

الهندی وانا صاحب الدیوانین — و فارسی کے ہیں، ہندی کا کوئی

العربی والفارسی ومالی فی الهندی — دیوان نہیں، لیکن میں ہندی

دیوان لکنی ماهر بالشعر الهندی — شاعری اور اس کے گُر سے واقف

ودقائقه" — ہوں،

آزاد کی عربی شاعری تقلید محض نہیں ہے، بلکہ اس میں انھوں نے ایک نئی راہ نکالی ہے، اُن کا تغزل ہندی تغزل سے مشتق ہے، اور یہی وہ خاص نہج ہے، جس کی جانب نواب صدیق حسن خان نے اشارہ کیا ہے[53]،

وله فی التغزل طور خاص قلما — تغزل میں اُن کا خاص طریقہ ہے جو

یوجد فی کلام غیره یعرفه — جو دوسروں کے کلام میں بہت کم پایا

اصحاب الفن، — جاتا ہے، اس سے فن والے واقف ہیں،

---

[51] سبحۃ المرجان ص ۴۰، [52] ایضاً ص ۲۷ [53] ابجد العلوم ص ۲۱۳،

آزاد جیسا کثیر الکلام عربی شاعر ہندوستان کے کسی دور میں نہیں پیدا ہوا، اپنی اس خصوصیت کا اظہار انہوں نے خود کیا ہے،[۵۰]

وما ظہر فی الھند قبلی من یکون	مجھ سے پہلے ہندوستان میں کوئی ایسا
لہ دیوان عربی ومن یکون لہٗ	شخص نہیں ہوا، جو عربی دیوان رکھتا
شعر عربی علی ھذہ الحالۃ"	ہو، اور اس کے عربی اشعار ایسے ہوں"

یہ کہنا کہ ان سے پہلے کوئی صاحب دیوان عربی ہندوستان میں نہیں گذرا، صحیح نہیں کیونکہ مسعود لاہوری کا صاحب دیوان عربی ہونا مسلم ہے اگرچہ اس کا دیوان زمانہ کی ناقدردانی کے باعث ناپید ہو گیا اور چند اشعار کے سوا اس کے عربی کلام کا نمونہ بھی آج نہیں ملتا، محمد مومن شیرازی بھی صاحب دیوان تھے، آزاد نے خود اس کو ہندوستان کے عربی شعراء کے زمرہ میں لکھا ہے، اور اس کے دیوان کا بھی ذکر کیا ہے،[۵۱]

آزاد کے کلام کا بیشتر حصہ مدائح نبویہ پر مشتمل ہے، اسی لئے اُن کے استاد نے اُن کو حسان الہند کا خطاب مرحمت فرمایا تھا،[۵۲]

آزاد کی جدت طرازی آزاد کو عربی ادب کی طرح اپنے وطنی لٹریچر بھاشا میں بھی پوری مہارت تھی، اُن کے ذوق و وجدان نے ان دونوں کے حسین امتزاج کا نہایت لطیف نمونہ پیش کیا ہے،

تعالوا واسمعوا لحن الاغانی	عن الورقاء ثم الکو کلاء

انھوں نے عربی میں بھاشا کے خیالات اور شاعرانہ صنائع منتقل کئے، ان صنعتوں کی تعداد تیئس ۲۳ ہے،[۵۳] ہندی کے بحور و قوافی کا بھی عربی سے مقابلہ کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہندی کی اکثر بحریں عربی

[۵۰] سبحۃ المرجان و ابجد العلوم ص ۹۲۲، [۵۱] سبحۃ المرجان ص ۲۰۰، [۵۲] ابجد العلوم ص ۹۲۲، [۵۳] مقالات شبلی ص ۲۶ جلد ۶، [۵۴] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سبحۃ المرجان ص ۱۶۲، ص ۲۵۵،

و فارسی سے مختلف ہیں لیکن بحر تقارب کفن الخلیل اور بحر سریع ہندی میں بھی ہیں، ایک بڑا فرق یہ بتایا ہے کہ ہندی میں بعض بحریں ایسی ہیں جن کا قافیہ مصرع کے آخر کے بجائے وسط میں آتا ہے، مگر باوجود اس کے یہ بحر مطبوع اور دلپسند ہے،[۵۵]

آزاد اپنی جدت پر ناز کرتے ہیں، اور اپنے کو مجدد و بدیع کہتے ہیں، فرماتے ہیں،[۵۶]

الفت سفرا فی البدیع وغیرہ	ونظمت سمطا من ثمین جمان
قد کان عبد اللہ واضع فنہ	ولہ الینا غایۃ الاحسان
وانا المجدد للبدیع فیالما	قد صغتہ من حلیۃ الاذھان

آزاد کے دواوین میں سیکڑوں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں خالص ہندوستانی خیالات اور بھاشا کی تشبیہات و استعارات ہیں، اُن کی مشہور کتاب سبحۃ المرجان سے صرف دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں،[۵۷]

نیلو فر طرفک السکران من سنۃ	بشانہ تبلی المشتاق یھتجر
فعمرا مسی حذاء البدر منفتحا	وعمرا ضحی حذاء الشمس منضم

مذکورۃ الصدر شعر میں ایک حسینہ اپنے شوہر سے جس نے رات کہیں اور بسر کی ہے، یوں شکایت کر رہی ہے کہ تمہاری نیلو فر جیسی سرخی مائل آنکھیں نیند کے غلبہ سے مندی جا رہی ہیں، تو ضرور اس میں کوئی بات ہو گی، پھر کہتی ہے کہ یہ آنکھیں چاندنی میں تو کھلی رہیں، لیکن آفتاب حسن کے مقابل میں کرن بند ہوئی جا رہی ہیں،

اس شعر کے معنوی محاسن کی تشریح آزاد نے خود کی ہے کہ نیلو فر کی دو قسمیں ہیں، شمسی و قمری، نیلو فر شمسی، آفتاب کی روشنی میں کھلتا، اور چاندنی میں مرجھا جاتا ہے،

[۵۵] مقالات ۶/ ۱۲۶، [۵۶] سبحۃ المرجان ص ۳، [۵۷] سبحۃ المرجان ص ۲۴۳،

قمری چاند کی روشنی میں شگفتہ رہتا ہے، اور طلوع آفتاب تک پژمردہ ہو جاتا ہے، آنکھوں کو نیلوفر سے تشبیہ دینے میں یہ لطافت ہو کہ نیلوفر ایسا سُرخی مائل ہوتا ہے، جس طرح آنکھوں میں شب بیداری کی وجہ سے سُرخ ڈورے پڑ جاتے ہیں، دوسرے شعر میں بدر و شمس میں صنعت توریہ ہے، یعنی شمس سے وہ اپنے حسن کی تعبیر کر رہی ہے، اور بدر سے اپنی سوکن کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں سوکن کی تنقیص اور اپنی فضیلت اور بڑائی کے ساتھ ہی باتوں باتوں میں شوہر کو اختیار ناقص پر غیرت بھی دلا رہی ہے،

اسی طرح یہ دونوں اشعار،[1]

لقد نخلت فی یوم راح حبیبها　　　الی أن هوی من ساعدیها نضارها
ولما اتاها مخبر عن تد وماه　　　علی الساعد الملآن ضاق سوارها

بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے خالص ہندی ہیں،

ایک اور شعر ہے،[2]

بتنا معاً فاذا بدی فلق الدجی　　　غطت بفضل الکم سلک جمان

ہندی ادب میں موتیوں کا ٹھنڈا ہو جانا طلوع سحر کی علامت ہے، لہٰذا معشوقہ (بلکہ عاشقہ) زیورات اور گلے کے ہار کو چھپا رہی ہے کہ ان کی ٹھنڈک سے محبوب بیدار نہ ہو جائے، عربوں کے یہاں بھی "برد السوار" یعنی کنگن کی ٹھنڈک طلوع صبح کی دلیل ہے، چنانچہ ابو فراس بن حمدان کہتا ہے،

وکم من لیلة لم اروِ منها　　　حییت لها وأرقنی نوارُ
فبت اعل خمرا من رضاب　　　لها سکر ولیس لها خمارُ
الی أن رق ثوب اللیل عنا　　　فقالت قم فقد برد السوارُ

شعرائے عرب کو "غراب البین" خون کے انسو رلاتا ہے، لیکن اہل فارس و ہند اسی کو "غراب الوصل"

[1] سبحہ ص ۲۵۳ [2] سبحہ: القصیدۃ الغزلانیہ، ص ۲۶۰، ۲۶۳،

سمجھتے ہیں، اسی مفہوم کو حسان الہند کی زبانی سنیے،[1]

سمعت غراب الهند یضحی مبشّرا　　　بعود حبیب یا له من مبشّرِ
ألا یا غراب البخل انت شقیقه　　　فما لك تؤذی هائما بالتطیرِ

عرب شعراء میں صرف ابو الشیص ہی ایک ایسا شاعر ہے جس نے اپنے اسلاف سے الگ راستہ اختیار کیا ہے:-[2]

ما فرّق الاحباب بعد الله الا الابلْ
والناس یلحون غراب البین لما جهلوا
وما علی ظهر غراب البین تطوی الرحل
ولا اذا صاح غرابٌ فی الدیار احتملوا
وما غراب البین الا ناقة او جمل

ہندیت | ہندوستانی نقطۂ نظر سے جو چیز آزاد کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہو سکتی ہے، وہی عربی شاعری کے نقطۂ نظر سے اُن کے کلام کا نمایاں عیب ہے؛

معشوقِ من است آن کہ بنزدیک تو زشت است

ان کے اشعار میں ہندیت اس قدر غالب ہو کہ اُسالیب عرب سے بالکل مختلف نظر آتا ہے اور یہ سقم صرف ان ہی اشعار میں نہیں ہے جن کے متعلق یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ علی الارتجال کہے گئے اور ان کے حک و اصلاح کی نوبت نہیں آسکی، بلکہ وہ طویل قصائد بھی جو یقیناً غور و تامل کے ساتھ کہے گئے ہیں اس سے پاک نہیں ہیں، مثلاً ان کا قصیدہ لامیۃ الہند پڑھ جائیے، اس اکاون شعر کے قصیدہ میں ایک شعر بھی تو ایسا نہیں ملیگا جس کو خالص عربی مذاق کا نمونہ کہا جائے، اس کے مقابل

[1] سبحۃ المرجان ص ۲۵۳ [2] الشعر والشعراء ابن قتیبہ ص ۲۲۲،

ہیں قاضی عبدالمقتدر کالامیہ اپنی عجمیت کے باوجود حسنِ انسجام، برجستگی، عربیت اور مطبوعیت میں بڑھکر ہی، علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں ۱؎،

"آزاد کا عربی اور فارسی کلام اگرچہ کثرت سے ہی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کے چہرۂ کمال کا داغ ہے، اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ وہ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب ہیں، نہایت نادر کتب ادبیہ پر اُن کی نظر ہی، لغات اور محاورات ان کی زبان پر ہیں لیکن کلام میں اس قدر عجمیت ہے، کہ اس کو عربی کہنا مشکل ہے، اُن کو اس پر ناز ہے کہ انھون نے عجم کے خیالات عربی زبان مین منتقل کئے ہین، لیکن نکتہ سنج جانتے ہین کہ یہ ہنر نہین بلکہ عیب ہے"

اس سخت عیب کے باوجود آزاد کی شاعری خاص مرتبہ رکھتی ہے، جس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا، اب ان کے کچھ سنجیدہ اور سادہ اشعار پیش کئے جاتے ہین، جن سے اندازہ ہوگا کہ اگر اُن کے کلام کا اکثر وبیشتر حصہ اسی رنگ کا ہوتا تو ان کا مرتبہ ہر حیثیت سے بلند ہوتا ۲؎

یاظبیۃ تنتنی این مرعاک   حیث اصبحت عین اللہ ترعاک

انی لهمت وما أمری بمبتدع   الاس والبان والغزلان تهواک

اری غصون النقا یرقصن قاطبۃ   لقد تمایلن نشوی من حمیاک

والشمس ترفل فی ابراجها مرحا   لعلها مارأت یوما محیاک

لقد طال أشجانی بطول مطالک   فعطفا علی المملوک یا ابنۃ ملاک

وما ابتغی واللہ مالا ودولۃ   ملاذک رجائی نظرۃ من نوالک

علی م أبث المشتکی ان نسیتنی   ومن أنا حتی اخطرن ببالک

۱؎ مقالات ۲/ ۱۲۹، ۲؎ سبحۃ صفحہ ۲۳، ۳؎ [illegible]، ۲۲۳،

تصانیف ۱؎ علامہ آزاد کو آج تک ہندوستان کا سب سے بڑا عربی شاعر اور مستند مورخ سمجھا جاتا ہی، اور بقول علامہ شبلی گو وہ اختصار پسند واقع ہوئے ہین، لیکن جو کچھ لکھتے ہین، مستند و مفید ہوتا ہی، انکی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہے،

(۱) ضوء الدراری، یہ صحیح بخاری کی شرح ہی جو شروع سے کتاب الزکوٰۃ کے ختم تک ہی، الحطہ بذکر الصحاح الستہ میں نواب صاحب نے اس کی ابتدائی عبارت نقل کی ہی،

(۲) تسلیۃ الفواد،

(۳) سبحۃ المرجان ان کی تصانیف مین بے نظیر کتاب ہی جس کی تصنیف سے ۱۱۷۷ھ مین فارغ ہوئے، اور جس کی توصیف مین خود رطب اللسان ہین،

هذا الکتاب له محل شامخ   یدریه من هو صاحب العرفان

حررت تالیفی وقلت مورخا   تجلو البصیرۃ سبحۃ المرجان

(۴) شفاء العلیل، اس کتاب مین عربی کے مشہور شاعر ابوالطیب احمد بن الحسین المتنبی (م ۳۵۴ھ) کے دیوان پر تنقید و مواخذات ہین،

(۵) غزلان الهند،

(۶) سند السعادۃ،

(۷) عربی دواوین، جن مین کل اشعار بقول علامہ صدیق حسن خان قنوجی گیارہ ہزار ہین، ان دواوین کی تفصیل یہ ہے :-

(الف) سبع سیارہ، یعنی سات دیوان کا مجموعہ، مثلاً دیوان مردف، دیوان مستزاد، دیوان مرجع وغیرہ، یہ تمام اجزاء، غزلیات و مدائح نبویہ پر مشتمل تھے، سبع سیارہ نواب صاحب

۱؎ تصنیفات کی فہرست ابجد العلوم ص ۲۱۳، ۲۲ و سے ماخوذ ہے،

کے پاس موجود تھا،[۱]

(ب) مرأۃ الجمال، ایک قصیدہ ہو جس مین معشوق کے ہر عضو کے حسن و جمال کو قلبند کیا ہے، اور خود ہی اس کی ایک لطیف شرح بھی لکھی ہی،

(ج) دو دیوان جو مدینہ طیبہ بھیجے گئے، اور روضۂ اقدس مین پیش ہوئے تھے، ان دونون مین کل تین ہزار اشعار ہین،

(د) مظہر البرکات، مثنوی کے وزن پر سات دفاتر کا مجموعہ، جس کے متعلق نواب صدیق حسن خان رقمطراز ہین :-

مزدوجۃ فی البحر الخفیف فی	مزدوجہ ہے بحر خفیف مین، جس
غایۃ السلاسۃ والعذوبۃ	کی زبان نہایت ہی سلیس اور شیرین
ولم ینظم احد قبلہ مزدوجۃ	ہے، ان سے پیشتر کسی نے اس بحر مین
عربیۃ فی ھذا البحر (ابجد العلوم ص ۲۱۳)	عربی مزدوجہ نظم نہین کی ؛

نواب صاحب کا بیان ہو کہ اس کا ساتوان دفتر ۱۱۹۶ھ مین نظم کیا گیا، اگر یہ صحیح ہے تو یہ کہنا کہ آزاد کی وفات ۱۱۹۴ھ مین ہوئی صحیح نہین ہو سکتا،

(ﮦ) نواب صاحب نے مذکورۂ بالا دواوین کے علاوہ اور تین دیوانون کا ذکر کیا ہے جن مین زیادہ تر نعت و مدائح نبویہ ہین ان مین سے کسی کے نام کی تصریح نہین کی ہو، (ابجد ص ۹۲۳)

علامہ آزاد کی فارسی تصانیف مین ید بیضاء، سرو آزاد، مآثر الکرام، خزانۂ عامرہ، روضۃ الاولیاء، ہندوستان ایران و توران کے شعراء کے تذکرے، سند السعادت فی حسن خاتمۃ السادات، فارسی دیوان وغیرہ ہین،

---

[۱] معارف پریس سیارہ سی پریس لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے،

ہندوستان کے عربی شعراء کی بزم مین مذکورۂ بالا اکابر کے علاوہ شیخ نفیس بن شیخ جلال کاپی،[۱] شاہ رفیع الدین[۲] (م ۱۲۳۳ھ یا ۱۲۳۵ھ) فضل حق خیرآبادی صاحب قصائد فتنۃ الہند (۱۲۱۳ھ-۱۲۷۸ھ) وزیر علی بن مولانا انور علی[۳] بن مولانا اکبر علی بن مولانا احمد اللہ سندیلی، نفیس[۴] احمد بن حافظ غلام احمد ابن شمس الدین بن مولانا محمد علی بدایونی، علی عباس چریاکوٹی، سید احمد حسن قنوجی المتخلص بہ عرشی، شیخ اوحد الدین[۵] ابن قاضی علی احمد بلگرامی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، شیخ حنیف علی رعب شاہ آبادی، عبد العلی آسی مدراسی، حافظ عبد الاول بن علی جونپوری، علامہ حمید الدین فراہی، مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندی، حضرت شاہ انور کشمیری، مولانا احمد حسین اسی مولانا ابو الطیب یعقوب بخش راغب بدایونی وغیرہ کے اسمائے گرامی روشن رہین گے خصوصًا فیض سہارنپوری، علامہ فراہی اور راغب بدایونی کا درجہ تو بہت ہی بلند ہے، مولانا فضل حق خیرآبادی کی ذات تبصرہ و تذکرہ کی محتاج نہین، انھون نے حریری و بدیع الزمان کے معارضہ مین اشعار کہے، اور خوب کہے، البتہ صنائع کے التزام سے کلام مین ثقل پیدا ہو گیا ہے، اس موقع پر نواب صدیق حسن خان کا قول نقل کر دینا کافی ہوگا،

---

[۱] تحفۃ الفضلاء فی تراجم الکملاء از مولوی عبد الشکور عرف رحمن علی ص ۱۶۵ [۲] حالات خاندان عزیزی از مختار احمد آزاد مرحوم ص ۶۵، دار الحکومت دہلی ص ۵۸۰، حدائق الحنفیہ، ابجد العلوم ص ۲۱۳،

[۳] تحفۃ الفضلاء کی عبارت ہی :- بمقام کلکتہ تحصیل علوم خصوصًا ادب عربی را کما حقہ تکمیل رسانیدہ شہرتے پیدا کرد، و چند دیوان اشعار عربی دارد بمدرسۂ کلکتہ دو صد و پنجاہ روپیہ مشاہرہ می یافت و مدرس بود نزد بادشاہ نصیر الدین حیدر فرمانروائے لکھنؤ بود بکلکتہ رحلت نمود" ص ۲۵۰ [۴] آپکے قصائد زیادہ تر حضرت غوث الاعظم کی منقبت مین تھے، عربی و فارسی مین تین دیوان تھے، اپنے ماموں شاہ فضل رسول بدایونی سے تحصیل علوم کی (تحفۃ الفضلاء ص ۱۶۵) ان کا کلام غدر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ مین برباد ہوا۔ [۵] ابجد العلوم صفحہ ۲۱۴،

وآتی فیھا بکل لفظ لطیف — یعنی ان کے شعر کے الفاظ لطیف اور

ومعنی بدیع لولا انہ اکثر — معانی بدیع ہیں، کاش، تجنیس،

فیھا من التجنیس والاشتقاق — اشتقاق اور غیر مانوس الفاظ کی کثرت

والالفاظ الوحشیۃ بلااخلاق — نہ ہوتی،

اسی طرح مولانا راغب بدایونی (۱۳۰۸ھ تا ۱۳۶۷ھ) کے کلام میں بھی بعض جگہ التزام صنائع کی وجہ سے تکلف پیدا ہوگیا ہے،

ناظرین سے احمد حسین اعظمی کا تعارف کرا دینا ضروری ہے، کیونکہ اُن کے نام و کلام سے اکثر و بیشتر قارئین ناواقف ہوں گے،

احمد حسین اعظمی رسول پور، اعظم گڈھ کے رہنے والے، لانبا قد، چھریرا بدن، گندمی رنگ، ناک کھڑی جبیعت میں شاعرانہ ظرافت، بیحد چست و چاق، بے لوث و بے غرض انسان تھے،

موصوف نے رام پور، اور خیرآباد میں تحصیل علم کی، علامہ طیب مکّی سے شرف تلمذ تھا، مشرقی پاکستان کے دار السلطنت ڈھاکہ میں ایک مدت تک رہے، مدرسہ حمادیہ کے صدر المدرسین تھے، ۱۹۱۹ء میں اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر وطن لوٹ گئے، آخر زمانہ میں دوستوں کے اصرار پر دوبارہ ڈھاکہ تشریف لائے، پھر مکرلہ جا کر اپنے طبی تجربات سے خدمت خلق کرتے رہے، کم و بیش پچھتر برس کی عمر میں اپنے وطن میں بعارضۂ اسہال وفات پائی، سن وفات ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء ہے،

عربی ادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے، اُن کے کلام کی خصوصیت ذیل کے اشعار سے واضح ہوگی ایک خط میں فرماتے ہیں،

واُخبرنی ریح الصبا عن جنابکم — بما زال احزانی وزاد سروری

فاصبح صدری فاسحا بعد ضیقۃ — واصبح قلبی فارحا بو فورہ

ونبأ الاحباب بعد طول لقائھم — کروح سری فی المیت بعد ھمودہ

نسیم الصبا ان زرتھم بلغنّھم — تحیۃ من قد قام بعد نشورہ

آپ کے دو قصیدے دست خاص کے لکھے ہوئے برادر محترم مولانا صغیر حسن صاحب معصومی لکچرر فلسفۂ اسلام، ڈھاکہ یونیورسٹی کے پاس تھے، لیکن افسوس کہ دونوں ناگہانی طور پر ضائع ہوگئے، اب صرف ایک ٹکڑا باقی رہ گیا ہے، جس کے دونوں طرف چھ چھ اشعار ہیں، ان میں سے ایک قصیدہ لامیہ تھا، اور دوسرا نونیہ، اس ٹکڑے میں جتنے اشعار ہیں، قصیدہ نونیہ کے ہیں، ایک جانب ذیل کے اشعار ہیں،

لولا الھوی خفرت عھود بنی الحجی — اید الکروب علی ذوی الازمان

ولمّا تعارفت النفوس محلھا — والسرب جوء ذرھا مدی الاوان

ترمی فوارسھا السھام فماسھت — وتعود طاغۃ من الثمران

فتصاب من ذالک الحمام ولم تمت — وتفش ھذا اشرف البنیان

لولا الھوی لو یذکر واللسن الذین خلوا ولم یفصح لھم بلسان

وھی الکریمۃ عنصر الحیاتنا — وحیاۃ من قد دبّ فی القیعان

دوسری طرف یہ اشعار ہیں:-

ھیھات اعفی الدھر أبلی رسمھا — وجفت علیھا نائبات زمان

وغد احذ وق الناس جل سفیھھم — وحکی القرود مناطق الانسان

وردوا فلول العود سیفا باترا — وردوا جبانا مقتدی الشجعان

ضرب الجلاجل ایقنوہ عبادۃ — والکفر قد سمّوہ بالایمان

ویبایعون لنا مھم علما بأنھم ارسطالیس واللقمان[1]

اذا بھم صمم واعینھم عمی وقلوبھم عمہ من الطغیان

مذکورۂ بالا اشعار سے اہل نظر خود فیصلہ کر سکتے ہین کہ ان کا کہنے والا عربی شاعری کا کتنا ستھرا مذاق رکھتا تھا،

تلک آثارنا تدل علینا

فانظروا بعدنا الی الآثار

---

[1] کذا فی الاصل وفی البیت اقوا ۱۲،

ابو العلاء وما علیہ

عربی زبان مین خیام عرب ابو العلاء کے حالات وسوانح اوران کے مساعی پر بہترین تبصرہ مطبوعہ مصر، قیمت :- غیر مجلد :- ۱۲/ مجلد ۳/ ر

زیادات شعر المتنبی

مشہور شاعر متنبی کے ایسے اشعار جو اس کے دیوان مین موجود نہین ہین، اور عربی کی مستند کتابون مین جابجا بکھرے ہوئے تھے، ان سب کو اس مین جمع کر دیا گیا ہے، قیمت ۸/ر

تفسیر ابو مسلم اصفہانی

عربی معتزلہ کی مفقود الخبر نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزاء جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہے، قیمت ہے ضخامت ۲۰۰ صفحے،

"منیجر"

انسانی تاریخ کی ایک مثالی حکومت

از

مولانا سید مناظر احسن گیلانی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

کوئی تراشا ہوا خیالی افسانہ نہین بلکہ معتبر راویون کی مسلسل سند کے ساتھ مشاہدات اور تجربات کا جو مجموعہ ابن سعد کے طبقات مین پایا جاتا ہے، اسی کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہون، ہر ہر واقعہ کے لئے حوالہ کی ضرورت اس لئے نہین سمجھی گئی کہ یہان جو کچھ بھی درج کیا جا رہا ہے صرف ایک ہی کتاب سے ماخوذ ہے،

دنیا کے تین[1] مشہور دل کشا اور دل آویز سیرگاہون مین وہ خود شہر اور اس کا مینو سواد علاقہ سمجھا جاتا ہے، جہان کے حکمران کی یہ تاریخی داستان آپ کے سامنے ہم دہرانا چاہتے ہین،

جانشین کے انتخاب کے کاغذات مرتب ہو چکے ہین جس حکمران کی جانشینی کا مسئلہ طے کیا گیا ہے، وہ اپنی آخری سانسین پوری کر رہا ہے، انتخاب کے وثائق ملک کے جس باوقار صاحب علم بزرگ کے سپرد کئے گئے ہین، ان کو حکم ہے کہ جب تک موت اپنے فیصلہ کو قطعی شکل مین صادر نہ کر لے، اس وقت تک انتخاب کس کا ہوا، اس کو صیغۂ راز مین رکھا جائے، جس کا انتخاب کیا گیا ہے، اس کو خود اس کی خبر نہین ہے، مسئلہ معمولی نہین ہے، ایک بڑی حکومت کی حکمرانی اور فرمانروائی کا مسئلہ جسکی قلمرو کے حدود مین ایشیا اور افریقہ ان دونون براعظمون کے تقریباً اکثر اور بڑے آباد علاقے شریک ہو چکے ہین، اور جو شریک

---

[1] اسلامی تاریخون مین غوطۂ دمشق وادی سمرقند، نہر ابلہ زیر دریاے دجلہ کے متعلق یہی باور کرایا گیا ہے،

نہیں ہوئے، حالات ایسے سازگار ہیں کہ اُن کی شرکت کی توقع بھی بعید از قیاس نہیں ہے، بلکہ یہ سمجھا جائے کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے اس زمانہ میں کرۂ زمین کی سب سے بڑی قاہرہ اور ہر لحاظ سے ممتاز ترین حکومت یہی تھی، تو یہ مبالغہ نہیں، بلکہ واقعہ کا اعتراف و اظہار ہوگا،

بہر حال راز کے وثائق کے امین سے وہی جن کا اس حکومت کی فرمانروائی کے لئے انتخاب ہو چکا ہے، دیکھا گیا کہ وہی اُن سے کہہ رہے ہیں،

"اگر کچھ بھی میری محبت اور قدر و قیمت آپ کے دل میں ہے، تو خدارا مجھے آگاہ کیجئے کہ کہیں قرعۂ فال میرے نام تو نہیں ڈالا گیا ہے، مجھے اس کا اندیشہ ہے، کہ کہیں یہی نہ ہوا ہو"

ابھی اس کا وقت باقی ہے، کہ اس فیصلہ کو میں بدلوا سکتا ہوں، بات اگر ہاتھ سے نکل گئی، تو جو کچھ میں اس وقت کر سکتا ہوں، آیندہ وہ میرے بس کی بات نہ رہے گی"

جو اس حکومت کی صدارت نہیں، بلکہ بادشاہی کے لئے چنا جا چکا ہے، مگر اپنے انتخاب کے اس واقعہ سے بے خبر ہے، گڑگڑانے لگا، خود ان ہی کا بیان ہے، جن سے وہ کہہ رہا تھا کہ

"دیکھئے اس بڑے کام کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل اپنے آپ کو نہیں پاتا"

بار بار اسی فقرے کو وہ دہراتے جاتے تھے، "امانت میں خیانت ہوگی، اگر وقت سے پہلے تم کو میں آگاہ کر دوں" یہی جواب ان کو ملتا رہا۔ جب تقاضا حد سے زیادہ گذر گیا، تب امین نے یہ جان کر کہا کہ یہی ایک ذریعہ اُن کے خاموش کرنے کا ہو سکتا تھا بولے:-

"خوب میں سمجھتا ہوں اپنے دل کی آرزو کو اس طریقہ سے تم میرے آگے پیش کر رہے ہو،

چاہتے ہو، کہ تمہارے لئے میں کوشش کروں، تم پر حکمرانی کے شوق کی حرص سوار ہے"

یہ ایسا سخت اور کارگر حملہ تھا کہ منہ لٹکا کر بے چارے چلے گئے، قدرت نے فیصلہ کر دیا، ارباب بست و کشاد جمع ہوئے، لفافہ کھولا گیا، اور بادشاہی کے لئے جو چنا گیا تھا، اس کے نام کا اعلان کر دیا گیا، جن کے سپرد یہ امانت ہوئی تھی، ان ہی کا بیان ہے،

"میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس شخص کے بازو کو پکڑا، اور اٹھا کر بزور اس منبر پر لیجا کر بٹھا دیا، جس پر انتخاب کے بعد حکمران کو کھڑے ہو کر خطبہ دینا پڑتا ہے"

وہی کہتے ہیں میں اُن کو منبر کی طرف لئے چلا جا رہا تھا، اور ان کی زبان پر بے ساختہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جاری تھا، اور یہ کہہ رہے تھے کہ میں جس چیز کو نہیں چاہتا تھا، وہی زبردستی میرے سامنے آئی، بادشاہی کا اعلان ہوگیا، تخت نشینی کہئے یا منبر نشینی کی تقریب ختم ہوگئی،[۱]

گھوڑے ہیں خچر ہیں، طرح طرح کی سواریاں قطار در قطار سامنے ہیں، ہر گھوڑے اور خچر کی لگام ایک سائیس کے ہاتھ میں ہے،

ان ہی سواریوں میں مرحوم سابق حکمران کا شاہی گھوڑا بھی اپنی کامل زیب و آرائش کے ساتھ

---

[۱] معارف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صرف انتخاب سے پہلے اپنی نامزدگی کی مخالفت پر بس نہیں کیا بلکہ چونکہ آپ کا انتخاب شوریٰ سے نہیں ہوا تھا، اس لئے انتخاب و بیعت کے بعد مجمع عام میں دست برداری ظاہر کی، اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی، لوگو میری خواہش اور عام مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر مجھکو خلافت کی ذمہ داری میں مبتلا کیا گیا ہے، اس لئے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے، میں خود اسے اتار دیتا ہوں، تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو" یہ تقریر سُن کر مجمع نے شور بلند کیا کہ ہم سب نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے، اور آپ کی خلافت سے راضی ہیں، جب آپ کو اس کا یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں ہے، اس وقت اس منصب کو قبول فرمایا (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۰۰)

سامنے لاکر کھڑا کیا گیا اور کہا گیا سوار ہو جائیے، انھون نے گردن جھکائی، اور دجلہ شہباز، اشہب رنگ کا خچر جس پر ہمیشہ سوار ہوتے تھے، حکم دیا کہ سب کو لیجاؤ اور اسی خچر کو میرے آگے لاؤ، خچر لایا گیا اور آپ سوار ہو کر چل پڑے، جلوس کی شاہانہ سواریان واپس ہو گئین، جا رہے تھے، سامنے دار الخلافت کا قصر رفیع تھا، مگر اپنے خچر کا سوار آگے بڑھا جا رہا تھا، عرض کیا گیا کہ بادشاہ کا محل یہ ہے، فرمایا اس مین مرحوم کے بچے اور اہل و عیال ابھی ہین، میرے لئے تو میرا انسطاط (خیمہ) ہی کافی ہے، یہ فرماتے ہوئے حکم دیا گیا کہ مرحوم کے لوگون کے لئے پہلے مکان کا نظم کر لیا جائے، تب حکومت کے کامون کی نگرانی کے لئے مین حکومت کے اس مکان مین آؤن گا، یہ بھی کیا گیا،

شاہی توشک خانہ سے غالیچون قالینون، گدّون، شطرنجیون، مسندون کا ایک انبار اسی پرانے گھر یا خیمہ مین بھیج دیا گیا، یہ کیا ہے شاہی فراش خانہ کا سامان ہے، جواب دیا گیا، سب کو واپس لیجاؤ، صرف آرمینیہ کا بنا ہوا ایک نمدہ اس سے نکال لیا گیا، زمین پر خود ہی اسے بچھا کر بیٹھ گئے، "حکومت کے کام کو اسی پر بیٹھ کر اگر انجام نہ دیتا، تو مین تجھ پر ہرگز نہ بیٹھتا" یہ فقرہ آرمینیہ کے اسی نمدے کو خطاب کرکے کہا گیا،

فرمان پر فرمان حکم پر حکم جاری ہونے لگا، "غیر قانونی ذریعہ سے جس کے پاس جو چیزین بھی پہنچی ہین، ایک ایک کرکے واپس کر دی جائین، خواہ وہ کوئی ہو اور خود فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے اس کام کو چاہئے کہ مین خود اپنی ذات سے شروع کرون"

کوڑی کوڑی کا حساب کیا گیا، قانون نے جن کی واپسی کا حکم دیا، وہ واپس کر دی گئین، جن مین بعض غیر معمولی قیمت کے نگینے بھی تھے،

ہر صوبہ اور ہر صوبہ کے ہر ضلع مین یہ نظام قائم کیا گیا، یعنی غیر قانونی ذرائع سے جن کے پاس جو کچھ ہو اس کو حقدارون تک پہونچایا جائے، اس کا خاص شعبہ کھولا گیا، صوبہ کے مقامی خزانے کی رقم اگر کافی نہین

ہوتی تھی، تو مرکزی خزانہ سے روپیہ بھیجا جاتا تھا، اور یون حقدارون تک اُن کے حقوق پہنچا دیئے گئے

طے کیا گیا کہ حکومت کی چیزون کے استعمال کا حق صرف اسی وقت تک ہے جب تک کہ حکومت کا کام انجام دیا جائے، اس قسم کے عملی نمونون کو پیش کر کر کے حکام اور عہدہ دارون پر اپنا منشا واضح کیا جاتا تھا، مثلاً حکومت کا کام رات کو جب کرتے تو حکومت کی شمع استعمال ہوتی، مگر اسی وقت کسی ذاتی ضرورت کے لئے کچھ لکھتے، تو وہ ہٹا دی جاتی، اور ذاتی مملوکہ شمعدان کی روشنی سامنے لاکر رکھ دی جاتی

شاہی خزانے سے مشک کا ذخیرہ برآمد ہوا، دیکھا گیا کہ ناک کو انگلیون سے بند کئے ہوئے ہین، کہنے والے نے کہا اگر خوشبو ناک مین آگئی، تو یہ خشک مین تو تصرف نہ ہوا، فرمایا بجز خوشبو کے مشک مین اور ہوتا ہی کیا ہے،

عوام کے لئے حکومت کی طرف سے سردیون کے موسم مین گرم پانی کا انتظام غسل اور وضو کے لئے کیا جاتا تھا، ابتداء مین دو ایک مہینے تک ہی پانی آپکے لئے استعمال مین بھی آیا، بعد کو معلوم ہوا، کہ حکومت کے خرچ سے پانی گرم کیا جاتا ہے تو حساب کرکے اتنی لکڑیان حکومت کے ذخیرے مین جمع کرا دی گئین،

معذورون، مسکینون، مسافرون کے لئے شاہی مہمان خانے سے کھانا کھلانے کا نظم کیا گیا تھا، اسی باورچی خانہ سے دہی کا ایک پیالہ آپ کی بیوی صاحبہ کے لئے لونڈی مانگ کر لئے جا رہی تھی، پوچھا کیا ہے؟ لونڈی نے عرض کیا آپ جانتے ہین، کہ بیوی صاحبہ حاملہ ہین، دہی کی خواہش ان کو ہوئی، وقت پر کہین نہین ملا، لونڈی نے یہ بھی کہا، مشہور ہے کہ حاملہ عورت کی خواہش اگر نہ پوری کیجائے تو کہا جاتا ہے کہ بچہ ساقط ہو جاتا ہے، اسی لئے مہمان خانے سے دہی مانگ کر لے جا رہی ہون، لونڈی کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا گیا اور گھر پہنچ تو کڑکتے ہوئے کہہ رہے تھے، "اگر غربا اور فقراء ہی کے کھانے سے بچہ پیٹ مین ٹھہر سکتا ہے تو خدا تیرے پیٹ کے بچہ کو گرا دے"،

اور دہی کا پیالہ واپس کر دیا گیا،

اس معاملہ مین حکّام کا شعور اس حد تک بیدا ہو چکا تھا کہ ایک بڑے محکمہ کے ذمہ دار افسر کا بیان ہے کہ حسب دستور مین کاغذات پیش کر رہا تھا، اب ایک بالشت تھا، یا چار انگل کے برابر سادہ کاغذ تھا، مین نے دیکھا کہ اس سادہ کاغذ کو اپنی ذاتی ضرورت مین انھون نے استعمال کیا، چونکہ یہ پہلا واقعہ تھا، جو اس افسر کے سامنے گذرا تھا، دل مین خیال آیا آج غفلت کا شکار یہ شخص بھی ہوا، مگر دوسرے دن وہی کہتے ہین کہ خلاف دستور کاغذات جو دیکھے ہوئے تھے، ان کے بستے کو واپس منگایا، مین نے بھیج دیا، واپسی کے بعد جب اپنے بستے کو کھولا تو دیکھا کہ سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا جو اسی کاغذ کے برابر تھا، بستے مین دوسرے کاغذون کے ساتھ لپٹا ہوا رکھا ہے، "غفلت کا شکار ہوا" اپنے اس خیال مین ان کو ترمیم بھی کرنی پڑی، اور حکمران کی نظر ان معاملات مین کتنی کڑی اور سخت ہو، اس کا بھی تجربہ ہوا،

خیر یہ تو ان کے ذاتی قصے ہین، دیکھنے کی بات حکمرانی کے وہ خاص طریقے ہین، جو انھون نے اختیار کئے تھے، سب سے پہلی چیز تو یہی ہے کہ خود اپنے آپ کو انتخاب کے لئے پیش نہین کیا، بلکہ آپ سن چکے کہ اس سلسلہ مین ان کی کوشش کی نوعیت اس طریقۂ کار کے بالکل برعکس تھی، جسے آج انتخابی قصون مین لوگ اختیار کر رہے ہین، مدح خود قصیدہ گفتن جس کا دوسرا ترجمہ مینی فسٹو کیا جا سکتا ہے، اور لوہے کا نہ سہی لیکن چاندی اور سونے کے دباؤ سے رائے عامہ کو دبانے اور ضمیر و احساس کے خلاف اپنے مطابق بنانے مین کرنے والے جو کچھ کر رہے ہین، سب کے سامنے ہے آخر کیا فرق ہے چنگیز و تیمور کی آہنی تلوار اور انتخابی ارکان کے نقرئی و طلائی گرزون مین یقیناً روح کے لحاظ سے دونون کے جرم کی نوعیت ایک ہی ہے صرف بیرونی قالب بدلا ہوا ہے،

دوسری بات اس سلسلہ کی وہ ہے کہ عنانِ حکومت کو ہاتھ مین لینے کے ساتھ ہی انھون نے ملک کی چند ایسی ممتاز اور نمایان ہستیون کا انتخاب کیا، جن کی سیرت و کردار کی استواری، علم و فہم کی گہرائی پر اس عہد کی عام مخلوق کامل اعتماد رکھتی تھی، یہ دس آدمیون کی مجلسِ شوریٰ تھی، ارکانِ شوریٰ

کو سامنے بٹھا کر حکمران کی طرف سے یہ عہد نامہ پیش ہوا کہ

"مین آپ لوگون مین سے ہر ایک کی یا جو مجلس شوریٰ مین حاضر رہین گے، ان کی رائے کے بغیر کوئی فیصلہ نہین کرون گا"،

اور حکومت کے پورے دور مین اس عہد نامہ کی پابندی کی گئی،

ملک کافی وسیع تھا، انتظام کے لئے جتنے آدمیون کی بھی ضرورت ہوتی ہو گی، اس کا خود اندازہ کیا جا سکتا ہی، اسی مجلسِ شوریٰ کے ایک رکن نے بڑی اچھی بات اس وقت کہی، جب بھروسے کے قابل کارآمد آدمیون کے مہیا کرنے کا سوال انھون نے پیش کیا، مجلس شوریٰ کے رکن نے کہا،

"آپ اس کی زیادہ پروانہ کرین، آپ کی حیثیت تو گویا بازار کی ہے، ہر بازار مین جس چیز کی طلب ہوتی ہے، رسد بھی اسی طلب کے مطابق ہوتی ہے، آپ کے بازار مین جس چیز کی مانگ ہے، قدرۃً وہی آپ کے پاس آئے گی"

. . . .

مگر اس بازار کے لوگون کو جب مفصلات مین بھیجتے، تو وہان کی عام پبلک کے نام حکمران اپنا ایک خریطہ بھی بھیجتا تھا، جس مین لکھا ہوتا کہ

"مین جنھین بھیج رہا ہون یہ تو نہین کہتا کہ وہ تم مین سب سے بہتر ہین، مگر اتنی بات کہہ سکتا ہون، کہ تم مین جو برے لوگ ہین، اُن سے شاید یہ اچھے ہون"،

سب سے زیادہ توجہ اپنے وُلاۃ اور حکّام کو اس مسئلہ کی طرف دلاتے تھے کہ رعایا پر محصولون کا جو بار ہے، حتی الوسع اس بار کو ممکنہ حد تک کم کرنے کی کوشش کیجائے، عموماً محصولون کی وہ قسم جسے اس زمانہ مین مکس اور آج کل ٹیکس کہتے ہین، ان کا اور ان کی مختلف قسمون کا فرامین مین ذکر کر کے لکھا کرتے :-

"یکس نہین بلکہ بخس ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق قرآن مین ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین (اور نہ کم کرو لوگون کی چیزون مین، اور بگاڑ پیدا کرنے والے ان مفسدین مین نہ ہو، جنھون نے زمین مین سر اٹھا رکھا ہے)

ایک دفعہ شکایت پیش ہوئی کہ محصولون کی تخفیف کی وجہ سے آمدنی فلان علاقہ کی بہت کم ہوگئی ہے، فرمان والی کے نام گیا "مین نے ان محصولون کو نہین ساقط کیا، بلکہ خدا نے ساقط کیا ہے" دار السلطنت مین خبر پہنچی کہ ایک علاقہ مین حکام کا دستور ہے کہ پیداوار کی قیمت بازار کے مطابق نہین، بلکہ منمانے طریقہ سے لگا کر رعایا سے خراج وصول کرتے ہین، اسی وقت حکومت نے اپنے دو معتبر نمایندے بھیجے، حکم دیا گیا کہ

"جس کسی سے جتنی مقدار بھی زائد وصول کی گئی ہو، فوراً واپس کر دی جائے"؛

اور گورنر کے لئے حکم تھا، ان دونون کے کام مین تمھاری طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ اگر ڈالی گئی تو یاد رکھو کہ تمھین جو بات ناگوار ہو گی، اسے اپنے سامنے پاؤگے،

گھوڑون پر ڈاک آتی تھی، راستہ مین کسی مقام کی ڈاک کے گھوڑے بے کار ہوگئے، مقامی کسانون کو بطور بے گار کے حکام نے پکڑا، اور ان ہی پر ڈاک لاد کر دار السلطنت روانہ کر دی گئی، اطلاع ہوئی، لکھا ہے کہ بے گار لینے والے پر پہلے تو چالیس کوڑے لگائے گئے، اور کہا کہ میری حکومت مین اور بے گار؛

شاہی خزانے کے تین شعبے کر دیے گئے، ایک شعبہ مین خراج اور مالگذاری کی عام آمدنی جمع ہوتی تھی، دوسرے مین فوجی فتوحات کی آمدنی کا پانچوان حصہ جسے خمس کہتے تھے، جمع ہوتا تھا، اور تیسرا مستقل شعبہ ملک کے حاجت مندون، غریبون، یتیمون، تاوان زدہ افراد، مسافرون وغیرہ کے لئے مختص تھا، صدقات و زکاۃ کی آمدنی اسی شعبہ مین جمع ہوتی تھی، دیکھا گیا تھا، دیکھنے والون کا چشم دید بیان ہے، ایسا نظم قائم کر دیا گیا کہ گذشتہ سال جو خود خیرات کا مستحق تھا، اس کے پاس اتنا سرمایہ اکٹھا

ہو گیا ہے کہ خود صدقہ ادا کر رہا ہے؛

تجارت مین زراعت مین یا کسی اور کاروبار مین جو نقصان اٹھاتے تھے، یا مقروض ہو جاتے تھے، بیان کیا گیا ہے کہ ملک کے دور دراز گوشون سے اس قسم کے تاوان زدہ افراد آتے، اُن کے واقعہ کی تحقیق کی جاتی، جب ثابت ہو جاتا کہ واقعی تاوان کے وہ شکار ہوئے ہین، تو صدقات کے شعبہ سے ان کی تلافی کر دی جاتی تھی، لکھا ہے کہ چار چار سو طلائی اشرفیان بسا اوقات کسی ایک ایک آدمی کو اس سلسلہ مین ملتی تھین، نہ صرف مرکزی خزانہ سے یہ امداد لوگون کو ملتی تھی بلکہ ہر ہر علاقہ کے مقامی خزانون مین یہ سلسلہ جاری رہتا تھا، عام فرمان تمام ملک مین گشت کرا دیا گیا تھا کہ جس شخص پر کوئی ایسا بار ہو جس کے ادا کرنے کی قدرت نہین رکھتا، تو خزانے سے رقم اس کی طرف سے ادا کر دی جائے"؛

یہی نہین بلکہ اسی فرمان مین یہان تک لکھا پایا جاتا ہے کہ جو شادی کرے، اور مہر ادا کرنے کی صلاحیت نہین رکھتا، اس کو بھی مہر ادا کرنے کے لئے خزانے سے رقم عطا کیجائے،

سرکاری خزانے کی ان مدون سے استفادے کے لئے صرف یہ شرط تھی کہ وہ ملک کا باشندہ اور قانونی رعیت ہو، کسی نسل سے ہو، کسی فرقہ کا ہو کسی قسم کا مذہب رکھتا ہو، ہر ایک کیلئے دروازہ کھلا ہوا تھا، لکھا ہے کہ

"ایک ایک بطریق (عیسائی پادری) کو ہزار ہزار طلائی اشرفیان دی گئین"؛

کم سے کم رعایا سے لیا جائے، اور زیادہ سے زیادہ مقدار مین ان ہی سے لئے ہوئے مال کو انہی تک ایک خاص نظم کے تحت واپس کر دیا جائے، یہی ایک "معاشی اصول" جس پر یہ مثالی حکومت کار فرما نظر آتی ہے، اس سلسلے کے تفصیلات اگر تلاش کئے جائین، تو ان سے کافی مجلد ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے،

مگر امکان اس کا سچ پوچھئے تو اسی ابتدائی قاعدے سے پیدا ہوا تھا جس کا ذکر مین نے شروع ہی مین کیا تھا، یعنی حکومت کی آمدنی حکومت کی یا جن لوگون کی حکومت تھی ان کی آمدنی سمجھی جاتی تھی، نہ کہ ان لوگون کی جن کے سپرد حکومت کی باگ کردی جاتی ہے،

اسی مثالی حکمران کے متعلق لکھا ہے کہ امیر خاندان مین پیدا ہوئے تھے، والد ان کے ملک مصر کے گورنر تھے، انتخاب سے پہلے ان کی زندگی امیرانہ تھی، ایک ایک قمیص کا کپڑا چار چار درم کا استعمال کرتے تھے، کھانے پینے، رہنے سہنے، الغرض زندگی کے تمام شعبے مین ان ہی امیرانہ عادتون کے عادی تھے، لیکن حکومت کی ذمہ داری جب سر پر آگئی، تو اسی شخص کے اس لباس کا جسے جمعہ کے دن پہن کر منبر پر آئے تھے، جب حساب کیا گیا تو بارہ درم (ڈھائی روپیہ) سے زیادہ پورے لباس کی قیمت نہ ٹھہری، لکھا ہے اس لباس مین عمامہ بھی تھا، اور قمیص بھی، قبا بھی، اور قرطق (کرتا) بھی، موزے بھی اور چادر بھی،

عمدہ کھانے کے عادی تھے، مگر حکومت کے بعد اس کا میسر ہونا دشوار ہوگیا، چنے اور مسور کی دال ہی پر کبھی قناعت کرنی پڑتی، پیٹ پھول جاتا، نفخ کی شکایت پیدا ہوجاتی، مگر صرف یہ فرما کر کہ

"اے پیٹ یہ تیرے گناہون کا جنازہ ہے،"

خاموش ہوجاتے،

ان کا غلام جنگلوں مین لکڑیان اور تنکیان تلاش کرتا پھرتا، کیونکہ بازار سے ایندھن خریدنے کی قیمت کبھی نہین ہوتی، ایک دن اسی غلام نے جو اپنے وقت کی سب سے بڑی اقتداری طاقت کا غلام تھا، اسی نے ایک دن عرض کیا،

"آج ساری دنیا اچھے حال مین ہے، بجز آپ کے اور میرے"

اور یہی روح ہے مثالی حکومت کی جس مین حکومت کی آخری اقتداری طاقت حکومتی آمدنی سے استفادے مین سب سے آخری ہستی سمجھی جاتی ہو،

یہ سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہین، جن کی حکمرانی کا زمانہ خواہ جتنا بھی مختصر ہو، لیکن صدیون قائم رہنے والی حکومتون کے لئے ان کی "مثالی حکومت" پہلے بھی قابل رشک تھی، اور جب تک الدین یا انسان کی قانونی زندگی پر پولیس و فوج کی نگرانی کے ساتھ اللہ کی نگرانی کا یقین مسلط نہ ہوگا، ان کی یہ مثالی حکومت آئندہ بھی قابل رشک رہے گی، کیونکہ جب تک الدین للہ کے اصول کو نہ مان کر خواص و عوام کو اس راہ پر نہین لائین گے، فتنہ کا ازالہ نہین ہوسکتا،

گاندھی جی نے بھی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حکومتون کو مثالی حکومت قرار دیکر مطالبہ کیا تھا کہ اسی کو چاہئے کہ نمونہ بنایا جائے، میرے خیال مین اسی کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نام کا بھی اضافہ ہونا چاہئے،

تاریخِ یمن کی ایک سطر

عمرو بن عامر عرف مزیقیا کے عہد کا سیلِ عرم

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

دسمبر ۱۹۴۹ء کے معارف مین کتبات حصن غراب کی فارسٹری قرأت پر مختصر تبصرہ کیا جاچکا ہے، آج ان مین سے ایک کی صحیح قرأت پیش کی جاتی ہے، اس کا چربہ یہ ہے،

○|ᑫᑫHHI ⌂ᑫ ⌂ ⌷|ϛ ϭ9⌷[ϛH|ᵻʃH⌂|⌷ᑫ9⌂

X9○○ ⌷|ϛ Ϥϛ○H|ϛ⌷X⌂|⌂ ϛϕ|Hϕ

|⌷ᑫ9⌂

یہ تین سطرین ہین، دوسری سطر پہلی سطر کے پانچوین حرف کی سیدھ سے شروع ہوتی ہے، تیسری سطر پہلی سطر کے پانچ نقوش کا اعادہ ہے، پادری صاحب نے اس سطر کو قرأت مین خدف کر دیا ہے، اور بار بار اسے دوسطری قرار دیا ہے، نقوش کو مصنوعی آوازین دیکر اسے پڑھا ہے،

سرہر — تقسیم کیا حصون مین،

وشنزر — اور دائین سے بائین لکھا،

وذنسور نیمہ سرہش — اور نقطے لگائے اس ترانۂ فتح مین

وذذرعا — سرہش اور ذذرعا نے

خزتنص وسخمر — بیدعا اور شکار کیا، اور سیاہ رد کیا،

عوص ابنوہر علک — عوص نے فرزندان علک کو

اس ترجمہ پر بحث کی ضرورت نہین ہو، کیونکہ قرأت کے مصنف کو حق تھا کہ جو مطالب اس نے چاہا اپنی مصنوعی عبارت کو دیدیا، دوسرے قاریان مسند نے نقوش کی جو آوازین بتائی ہین، ان کی بحث کو ہم اس وقت ملتوی رکھین گے، ج ۲ ص ۲۰۰ و ص ۲۰۳ مین خود پادری صاحب نے نقوش کی جو آوازین دی ہین ان کے مطابق انہین پڑھنا چاہئے تھا،

سادہر وشذیر وذنوہر ہنوہر سرہش وذذریا

قذ وقنش وسخمر یوذا بنوہر اخ

ایک توراتی مورث (تکوین ۱۰: ۲۲، ۲۶، ۲۸) کی جستجو اور علک کو سیاہ رد کرنے کے شوق نے قو کو عوص اور "اخ" کو "علک" بنا دیا،

اس کتبہ مین کل ۵۳ نقوش ہین، مکررات کو خدف کرنے کے بعد جملہ تعداد ۱۸ رہ جاتی ہے، ان مین سے ۱۷ اور ۹ کو عین اور غین سمجھنے سے عبارت بامعنی ہوجاتی ہے، یہ دو نقوش مجھے قدما کے یہان نہین ملے، باری باری سے ہر حرف قرار دیکر آخر مین ان نقوش کو ع غ خیال کیا، اسی طرح ا بھی قدما کے یہان نہین ملا، اس نقش کو روڈیگر نے شین اور سین اور الف نما نقش کو "الف" اور "واو" پڑھا ہے، اکثر قاریان مسند اس کو اختتام لفظ کی علامت قرار دیتے ہین، اس نقش کی آواز بحث طلب ہے، لیکن یہ محل بحث کا نہین ہے، کیونکہ اس کی قرأت مین میں روڈیگر اور فارسٹر کا ہم نوا ہون، باقی نقوش کو قدما کی بتائی ہوئی آوازین دے کر پڑھین تو تین مصرعے بن جائین گے،

صَیبِن مَاشَنُ رُدُو ذُنُوبِلِ عَنا — مَصَنِ شُوذُ ذُ دغا قَنَ اقنشا

سَیِطْرَاذُ دَرْھُنُوْ مُرِبِّتُ صَیِّنِ مَا

صید کو تتر بتر کر دیا، نوحل کے کیڑے نے جسے خارج کیا، بڑی بارش نے جو کہ بدخو کو بہالے گئی،

سزا کے طور پر صید کے ساتھ رہنوم بھی جلا وطن ہو گئے"

صیدما کے آخر میں جو ما ہے، اس کی حقیقت ہمدانی کے اس بیان سے معلوم ہوگی، ریاً، اور ماذناً کو حمیری یں ریام اور ماذم بولتے ہیں، اسی طرح تنعم دراصل تنعمت تھا، اس کے آخر میں صا کا اضافہ ہوا پھر الف حذف ہوگیا، اور تنعم بن گیا، اس بیان کے مطابق ما عربی مبین کی تنوین کا بدل ہے، اور صید ایک ہمدانی قبیلہ کا نام ہے، دوذ، شو، اور ستطراذ کو ددد، سوء اور ما ستطر د کا قدیم تلفظ سمجھنا چاہئے، نوحل سے مراد یا تو نحل (چیونٹی) ہے یا نخلہ ہے، حوض کے اندر بچے ہوئے پانی کو نخلہ کہتے ہیں، اس لئے دودنوحل کے معنی پانی کے کیڑے کے بھی ہو سکتے ہیں" رھنوم کو عربی مبین میں راھنون سے بدل سکتے ہیں، یہ وہی لفظ ہے جس کے نقوش کو جلی آوازیں دے کر پادری صاحب نے انبوم پڑھا ہے، اس لفظ نے اس کتبہ کو حل کرنے میں ہم کو بڑی مدد دی ہے، رہنوم سے مراد خولان ذہبی ہیں جن کا رئیس سیل عرم کے زمانہ میں عمرو بن عامر عرف مزیقیا تھا، اس کے مزیقیا کہلانے کی اور خولان کے رہنوم کہلانے کی وجہ آگے معلوم ہوگی، یت کو عبرانی ات (ہمراہ) سمجھنا چاہئے اور تنعش کو عبرانی لفظ تنس خیال کرنا چاہئے جس کا ایک مطلب ابراہیم المالح نے جڑا بتایا ہے،

یہ کتبہ ہم کو خبر دیتا ہے

۱- ایک زمانہ میں ایک نہایت بڑی بارش ہوئی،

۲- یہ بارش ذو دغار (بدخو) کو بہالے گئی،

۳- یہ خدا کی طرف سے بدخوئی کی سزا تھی،

۴- قبل اس کے کہ وہ بارش آئے "ایک دو دنوحل" کے خروج سے اس کا اندازہ ہوگیا،

۵- بنو صید اور اس کے ساتھ رہنوم نے جلا وطنی اختیار کی،

۶- اور یہ لوگ مختلف دیار میں تتر بتر ہو گئے،

یہ قصہ سیل عرم کے اس قصہ سے ملتا جلتا ہے جو سورۂ سبا میں مذکور ہے، قرآن کا بیان یہ ہے کہ قوم سبا کے ایک شہر مآرب والوں کی ناشکری کے سبب بطور سزا کے خدا نے سیل عرم بھیجا، یہاں والے اپنے شہر سے نکلے، ان کے درمیان اور برکت والی سرزمین کے درمیان چند زبردست آبادیاں حائل تھیں، ان آبادیوں میں چند دن اور چند راتیں ان کے لئے سیر کرنا مقدر تھا، حکم تھا کہ ان بستیوں میں چند روز بے خوفی کے ساتھ بسر کر لو، پھر اپنے شہر کو چلے جانا، مگر ان لوگوں نے اپنی صوابدید کو خدا کی مصلحت سے زیادہ قیمتی سمجھا، اور دعا کی کہ اے خدا ہماری سفروں میں درازی پیدا کر دے، ان کی یہ دعا قبول ہوئی، اور ان کو اس طرح پرزے پرزے کر کے بکھیر دیا گیا کہ اب وہ لوگ محض باتیں ہی باتیں ہو کے رہ گئے ہیں، یہ مضمون سورۂ سبا کی آیتوں کا ہے، اس وقت ہم کو ان آیتوں کی تفسیر کرنی منظور نہیں ہے، صرف کتبہ کی تشریح مقصود ہے، قرآنی قصہ کا تذکرہ صرف اس لئے کیا گیا تاکہ اس کتبہ کی اہمیت کا اندازہ ہو،

اس کتبہ میں جس واقعہ کا تذکرہ ہے اس کی بابت عرب میں یہ کہانی مشہور تھی کہ جبل مارب اور جبل ابلق کے درمیان زمانہ قدیم میں سبا نے ایک باندھ بنایا تھا جس میں کئی برساتی نہروں کا پانی آکر جمع ہوتا تھا، وادی حضرموت کا سیلاب بھی اس میں آکر گرتا تھا،

مارب میں ایک بادشاہ تھا، عمران بن عامر، وہ دعاۃ سلیمانؑ میں سے تھا، اس نے مرتے وقت اپنے بھائی عمرو بن عامر عرف مزیقیا کو بلا کر کہا کہ عنقریب یہ باندھ ٹوٹنے والا ہے اور اہل مارب تتر بتر ہو جانے والے ہیں اور وصیت کی کہ اس آفت سے بچنے کے لئے ظریفہ کاہنہ سے رائے لیکر اس پر عمل کرنا، عمران کے مرنے کے بعد مزیقیا نے ظریفہ سے شادی کرلی،

ایک روز ظریفہ نے دیکھا کہ ایک کچھوا پانی میں سے کودا، پیٹھ کے بل زمین پر گرا، بڑی کوشش کے بعد کافی دیر گذرنے پر سیدھا ہوگیا اور دوبارہ پانی میں کود گیا، یہ دیکھ کر وہ گھبرا گئی، اور آنے والی آفت کی خبر مزیقیا کو دی، اس کے

بعد خود مزیقیانے

رای جوذا یبحث بر جلیه وتقلب	ایک چوہا دیکھا جو اپنے دونون پاؤن سے زمین
الصخو بید یه التی لا یقلبھا	کرید تا تھا، اور اپنے ہاتھون سے در بند کو حرکت
اربعون رجالاً (تیجان ص ۲۶)	دے رہا تھا جس کو ۵۰ مرد مل کر حرکت دے سکتے تھے

عمرو بن عامر نے اس کی خبر ظریفہ کردی تو اس نے کہا،

اذا ظھر الجوذ الحفار فاستبدل	جب زمین کریدنے والا جانور نمودار ہو گیا تو
دار امن دار وجار امن جار فخذھا	اب اپنا وطن اور پڑوس بدل دو کیونکہ مصیبت
تنزل الا قوال ار	آنے والی ہے، (تیجان صفحہ ۲۶)

ظریفہ کی اس رائے کو مان کر مزیقیا اور اس کے لوگون نے مارب کو چھوڑ کر دوسرے دیار مین چلے جانے کا فیصلہ کیا، اور اپنی تمام املاک دوسرون کے ہاتھ فروخت کرکے اور تمام متعلقین کو ساتھ لے کر مارب سے چل پڑا، اور دیار عک مین پہنچا، تو اس نے وفات پائی، اس جگہ مختلف اشخاص کی قیادت مین اس کے ہمراہی متفرق دیار مین منتشر ہو گئے،

زیر بحث کتبہ مین رہنوم یعنی جائداد رہن کرنے والے ان ہی ازد کو کہا گیا ہے، عربی روایات کے مطابق انھون نے اپنی املاک کو فروخت کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ رہن کیا تھا، اس لئے رہنوم کہلائے،

زیر بحث کتبہ کے مطابق سیلاب کا قبل از وقت علم "ذوذ نوبل" کی وجہ سے ہو گیا تھا، جسے "سعد شو" یعنی بڑی بارش نے خارج کیا تھا، نوبل کو اگر ہم نمل سمجھین تو حقیقت یہ تھی کہ بارش کا اندازہ پا کر چیونٹیاں بکثرت اپنی بلون سے نکل کر بلند مقامات پر چڑھنے لگین، اور لوگون نے فیصلہ کیا کہ زور کا سیلاب آنے والا ہے، لیکن نمل حوض کے اندر بچے ہوئے پانی کو بھی کہتے ہین، اس لئے "ذوذ نمل" کے معنی ہوئے "آبی کیڑا" یہی مفہوم عربی کہانی کے سلحفاة اور جرذ حفار کی اصل ہے،

کتبہ کے مطابق سیدھا سادہ واقعہ یہ تھا کہ ایک آبی کیڑا یا چیونٹیون کا گروہ نہایت بڑی بارش کا اندازہ پا کر پانی سے یا بلون سے باہر نکل پڑا، اور اس کا خروج سابق تجربہ یا پیشین گوئی کے مطابق آنے والی آفت کا قدرتی اعلان تھا مگر زبانی روایت کے اعجاز نے اسے ایسا جرذ حفار بنا دیا، جو اپنے دونون ہاتھون سے پتھر کے اس دربند کو حرکت دے رہا تھا، جسے ۵۰ مرد مل کر ہلا نہین سکتے تھے.

اس کتبہ کے دائین حاشیہ پر 𐩱𐩹 مکتوب ہے، جسے شط پڑھا جا سکتا ہے، اس کا مطلب ہے ۳۰۹ حمیری مطابق ۱۹۴ء یہ ہے صید ما اور رہنوم کے استطراد و تفرق کا پہلا سال، عمرو بن عامر عرف مزیقیا اس سال مارب سے روانہ ہوا، اس کی نسل کی ایک شاخ شمال کی طرف روانہ ہوئی، کچھ لوگ مکہ مین رہ گئے، اور بنو خزاعہ کہلائے، کچھ لوگ مدینہ مین مقیم ہوئے، اور ان کا اسلامی نام انصار ہے ممکن ہے یہ انھی کی نسل سے ہون جن کا ذکر رومی مورخون نے Anoaritae آلوس جالوس کے حملۂ یمن کے تذکرہ مین کیا ہے، کچھ لوگ ملک شام مین جا بسے، اور غسان کہلائے یہان پہنچ کر انھون نے اپنی ایک حکومت قائم کی، عربی روایت کے مطابق غسان کا اولین فرمانروا عمرو بن حفنہ بن عمرو بن عامر تھا صاحب تیجان کے بیان کے مطابق عمرو بن جفنہ نے دقیوس (Decius قیصر ۲۴۹ء – ۲۵۱ء) کے زمانہ مین وہان حکومت قائم کی جسے دقیوس نے کسی قدر جنگ و مقابلہ کے بعد تسلیم کر لیا، عمرو بن عامر کے خروج سے لیکر عمرو بن حفنہ کے والی بنتا ہونے تک جملہ ۵۰ برس گذرے ہون یہ خلاف قیاس نہین ہے،

عمرو بن عامر کی قوم مارب مین رہتی تھی صید ما کا وطن اس کتبہ کے شہر حضر موت کو ہونا چاہئے مارب کے بند کو جس سیلاب نے توڑا تھا اس کا سبب یہی سعد شو تھا جس کا سیلاب حضر موت کی وادیون سے سد عرم مین پہنچا تھا،

پادری فارسٹر نقوش کی صحیح آوازون سے ناواقف نہ تھے لیکن چونکہ اس کتبہ سے ایک عربی داستان کی اصلیت معلوم ہوتی ہے جس کا تعلق ایک قرآنی قصہ سے ہے اس لئے انھون نے اس کی تحریف کو ضروری سمجھا، اور اسی کی تحریف کے لئے تمام کتبات کی تحریف کی ہے ده سطری کتبہ مین ایک لفظ منکر دیکھ کر جیسا کہ خود معترف ہین، ان کو انتہائی رنج ہوا تھا کہ اس سے تو قرآن کی تصدیق ہوتی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیل عرم کے قصہ کی تصدیق

سے ان کو کتنا صدمہ ہوا ہوگا،

سیل عرم کے وقت مارب کے فرمانروا کو مزیقیا کیا جاتا تھا، عربی کہانی نے اس کی وجہ تسمیہ یہ تجویز کی ہے کہ وہ اپنے کپڑے جب بھی اتارتا تھا تو پھاڑ ہی دیا کرتا تھا لیکن اس لفظ کو مزیق (پاش پاش کیا ہو) یا خداوند کا) پڑھو پھر قرآن مین غور کرو "سبا کی بات کہا گیا ہے، مزقناہم کل ممزق، اس کتبہ مین تمزق کی حقیقت شذرا وہ استطراد کے الفاظ ظاہر کرتے ہین، قرآن کے اندر مذکور سیل عرم کا زمانہ یقینی طور پر عمرو بن حفنہ کے زمانہ ۲۵۰ء سے نصف صدی قبل گذرا،

لیکن اکلیل کے مصحح الاب انستاس ماری لکرملی البغدادی فرماتے ہین،

"آج علماء پر واضح ہو گیا ہے کہ سیل عرم کا انبثاق و انہدام ۵۴۲ء اور ۵۷۰ء کے درمیان ہوا اس سے قبل نہین، جیسا کہ بعض علمائے عرب اور بصرائے غرب کا وہم ہے جسے مزید تشفی کی ضرورت ہو وہ مجلۃ الاسلام مین مارب کو پڑھے، (حاشیہ اکلیل ص ۲۶۳/۸)

وبیا بیغوو محمد کے مولف ڈے لیسی اولیری (De Lacy oleary) نے اس کا زمانہ ۴۴۷ء اور ۵۰۰ء قائم فرض کیا ہے سیلاب یمن مین بارہا آیا، متعدد قدیم تحریرون کے تذکرہ مین سیلاب کا ذکر ملتا ہے ۴۴۷ء اور ۵۰۰ء کے درمیان بھی سیلاب آیا، اور سد عرم ٹوٹا بارہا اس کی مرمت ہوئی، مگر قرآن مجید مین جس سیلاب کا ذکر ہے وہ اس قدر قدیم زمانہ کا واقعہ ہے جو خدا نے فرمایا،

وجعلنٰھم احادیث ہم نے ان کو باتین ہی باتین بنا دیا،

جس قوم پر یہ حادثہ گذرا جو قوم تتر بتر ہو کر اپنی قومی ہستی کھو بیٹھی اور سبا کی بجائے مزیقیا ہو گئی، اسی قوم کے اس بیان پر کہ سیل عرم عمرو بن حفنہ (۲۵۰ء) کے دادا عامر بن عامر کے زمانہ مین آیا تھا، اس قوم کی متواتر روایت کو محض اتنی سی بات پر جھٹلا دینا کہ عرم کے سیلاب کا ذکر ۴۴۷ء اور ۵۷۰ء کے درمیان بھی ملتا ہے، تکذیب روایت کے شوق اور نئی بات کہنے کے اشتیاق سے بہتر کسی اور بات کا ثبوت نہین، قرآن مین یقینی طور پر عمرو بن حفنہ کے دادا مزیقیا کے زمانہ والے سیلاب کا ذکر ہے،

موسیٰ جاراللہؒ کی بعض تصانیف

از

جناب مولانا عبدالمجید صاحب حریری قنصل جمہوریہ ہند برائے سعودی عرب

"ہمارے فاضل اور محترم دوست مولانا عبدالمجید صاحب حریری ان علم دوست اصحاب مین ہین جن کے تعلقات ہندوستان و بیرون ہند کے بہت سے علماء و مشاہیر سے ہین، اور بنارس مین ان کا دولت کدہ اصحاب علم و کمال کا مستقل مہمان خانہ رہتا ہے، مشہور روسی عالم موسیٰ جاراللہ سے بھی اُن کے خاص روابط تھے، اور وہ بنارس مین کئی سال تک اُن کے مہمان رہے جنوری کے معارف مین مرحوم موسیٰ جاراللہ کی، وفات پر جو شذرہ لکھا گیا تھا، اس مین ان کے شغل تصنیف کا بھی اجمالی ذکر تھا، اس سلسلہ مین مولانا حریری نے بعض مفید معلومات لکھ بھیجے ہین، ان کو گذشتہ شذرات کے تتمہ کے طور پر شائع کیا جاتا ہے"

"م"

حضرت الاستاذ الامام نے میرے یہان بیٹھ کر جو رسالے ترتیب دیے وہ بھوپال سے شائع ہوئے انکی سب سے بڑی دو کتابین ہین جن کے مسودے وہ صاف کرا چکے تھے، اور انھی کی اشاعت کی آرزو اُن کو ترکیہ لے گئی، مگر جب جمہوریہ ترکیہ نے ان مولفات کی اشاعت کی اجازت بخط عربی ان کو نہین دی تب وہ شکستہ خاطر قاہرہ واپس آئے، صحت تباہ ہو چکی تھی، اختلال حواس کے آثار بھی نمایان ہو چکے تھے، وہان بھی یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور انھون نے جوار رحمت الٰہی مین پناہ لی، یہ دو کتابین یہ تھین،

۱- تاریخ مصاحف الامصار، اس مین انھون نے رسم مصاحف اور اسکی تاریخ پر ایک بڑی سیر حاصل بحث کی تھی، اور جامعۂ فواد اول مصر کے ایک مسیحی پروفیسر ولیم آرتھر جیفرے کی اُس خطرناک تالیف کی دسیسہ کاریون سے پردہ اٹھایا تھا، جس مین اُس نے تاریخ تدوین وکتابتِ مصحف سے متعلق تمام شواذ قرات وروایات کو جمع کرکے یہ ثابت کرنے کی نامراد کوشش کی تھی کہ معاذ اللہ متن قرآن بھی دوسری کتبِ سماویہ کے متون کی طرح محفوظ نہین رہا۔

۲- دوسری کتاب جس کی اہمیت پر وہ بہت زور دیا کرتے تھے، اور جس کی تالیف پر انھون نے اپنی عمر گران مایہ کے پورے بیس سال صرف کئے تھے، وہ القانون المدنی للاسلام ہے، اس کا مسودہ روس کی اکادمیہ مین اب بھی محفوظ ہے، اُن کی بڑی خواہش تھی کہ ترکیہ یا کوئی اور اسلامی حکومت اس مسودہ کو اکادمیہ سے حاصل کرکے چھپوا دے مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

میرے مکرم دوست ڈاکٹر عبدالوہاب بے عزام سفیر مصر جو پچھلے ہفتہ قاہرہ واپس تشریف لے گئے ہین، وہ کوشش کرین گے کہ شیخ کی بقیہ تالیفات کے مسودے شیخ کے مصری دوستون سے حاصل کرین، اور اُن کی اشاعت کی کوئی سبیل نکالین، دیکھئے کہان تک کامیاب ہوتے ہین،

حضرۃ الاستاذ الامام رحمہ اللہ کی جملہ تالیفات کی تعداد سو سے زائد ہے، کچھ عربی مین ہین، جیسے شرح بلوغ المرام، شرح طیب النشر فی القرآت، الوشیعہ شرح شاطبیہ، بقیہ ترکی زبان مین، ان مین سے پندرہ بیس کتابین میرے پاس موجود ہین،

بابُ التقریظ والانتقاد

جہانِ نو[1]

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

مغربی قومون کی ترقی کی نقل تقلید مین مسلمانون کی دنیاوی ترقی کے لئے مذہب کے نام سے قرآن وحدیث کی خالص مادی تفسیر وتاویل اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی بدعت سب سے پہلے صاحب تذکرہ نے جاری کی اور اب اس کی تقلید شروع ہو گئی ہے، مذکورہ بالا کتاب بھی اسی قبیل کی ہے، گو مصنف کے نقطۂ نظر کے مطابق اسکا مقصد مسلمانون کی مذہبی واخلاقی اصلاح اور دنیاوی ترقی کی ترغیب دونون ہے، لیکن اس کا طریقہ وہی ہے جو عنایت اللہ مشرقی نے تذکرہ مین اختیار کیا ہے، اور یہ کتاب اپنے خیالات کے اعتبار سے اس کا چھوٹا اڈیشن معلوم ہوتی ہے، یعنی نام تو مذہب کا لیا گیا ہے، اور اپنے خیالات کی تائید مین قرآن وحدیث، اسوۂ صحابہؓ تاریخ اسلام کے واقعات سے استدلال کیا گیا ہے، لیکن یا مصنف کی نظر ان چیزون پر نہین ہے، یا انھون نے عمداً تدلیس مغالطہ اور غلط استنباط نتائج سے کام لیا ہے، مسلمانون کی دنیاوی ترقی کی ضرورت سے انکار نہین ان کی دینی اصلاح کیساتھ ان کی دنیا سنوارنے کی کوشش بھی مستحسن ومحمود ہے، اور اس کی تعلیم خود اسلام مین موجود ہے، اس کے لئے قرآن وحدیث کی غلط تاویل اور تاریخ اسلام کو بگاڑنے علماء ومجتہدین کے کارنامون

---

[1] مصنفہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق تقطیع اوسط ضخامت ۲۵۱ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ کتاب منزل لاہور

پر خط نسخ پھیرنے اور ان کے استخفاف کی ضرورت نہیں، جس سے اس کتاب کا صفحہ صفحہ لبریز ہے، افسوس
ہے کہ اس مختصر ریویو میں اس پر تفصیلی نگاہ ڈالنے کی گنجائش نہیں ہے، اس کے لئے اتنے ہی حجم کی کتاب کی
ضرورت ہوگی، اس لئے صرف اس کی کچھ مثالیں نمونۃً پیش کی جاتی ہیں، ان سے کتاب کی نوعیت
اور مصنف کے کمالات کا اجمالی اندازہ ہو جائے گا،

یہ ہر مسلمان بلکہ تعلیم یافتہ غیر مسلمون کو بھی معلوم ہے کہ قرآن مجید ہدایت و رہنمائی کا صحیفہ ہے، رسمی علم و فن
کی کتاب نہیں، اس کے باوجود مصنف کو اس کی ان آیتوں میں جن میں کائنات پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے محض
سائنس کی تحصیل کی ترغیب اور سائنٹفک تحقیقات کی تعلیم نظر آتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں "جسے قرآن مجید نے
۷۰ مرتبہ بیان فرمایا، (یعنی کائنات پر غور و فکر کی آیات) اور جس سے ہمارے مقتدا مولانا قطعاً نا آشنا ہیں، یہی
وجہ ہے کہ وہ وعظ میں داڑھی کی لمبائی چوڑائی اور اس قسم کے باقی مسائل پر پورا زور صرف کرتے ہیں، لیکن کوئلہ، فولاد
اور پٹرول کا نام تک نہیں لیتے، (ص ۲۵) گویا کلام اللہ کا مقصد کوئلہ فولاد اور پٹرول نکالنے کی تعلیم دینا تھا، ہمارے
فاضل محقق قرآنی آیات سے استدلال اور علماء پر طعن و طنز کے بغیر بھی مسلمانوں کو اس کی ضرورت کی جانب توجہ
دلا سکتے تھے، کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ انھوں نے خود اپنی سائنٹفک تحقیقات سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچایا، یا وہ
محض داڑھی کی صفائی ہی میں لگے رہے، انھوں نے جن آیات سے کوئلہ فولاد اور پٹرول نکالنے کے احکام پر استدلال
کیا ہے وہ ملاحظہ ہوں اس سے ان کی قرآن فہمی کا اندازہ ہوگا وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس
میں چونکہ لوہا پیدا کرنے کا ذکر ہے اس سے لوہا نکالنا مسلمانوں کا فرض ہو گیا کوئلہ کی کان کنی کی فرضیت اس آیت سے ثابت کی ہے،

الذی جعل لکم من الشجر الاخضر — اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سبز درختوں سے
نارا فاذا انتم منہ توقدون، — آگ کا سامان کیا جس سے تم آگ جلاتے ہو،

اس کی شرح میں فرماتے ہیں، پٹرول کوئلہ کا پسینہ ہے، کوئلہ سبز درختوں سے تیار ہوتا ہے جو آج سے کئی
لاکھ برس پہلے زلزلہ کی وجہ سے زمین میں دب گئے تھے، (ص ۲۱) اس لئے کوئلہ اور پٹرول نکالنے کا حکم بھی قرآن

سے ثابت ہو گیا، اس میں شبہہ نہیں، کہ قرآن مجید سے کائنات کے بہت سے عجائبات کا پتہ چلتا ہے اور
جہاں ابھی سائنس کا تخیل نہیں پہنچا ہے، اس کے اشارات بھی موجود ہیں لیکن ان کا ذکر قدرتِ خداوندی
کے ثبوت کے سلسلہ میں ہے، اور ان کا اولین مقصد خالق کائنات کی عظمت اور عبرت پذیری ہے ثانوی
طور سے ان سے مادی فوائد بھی مراد لئے جا سکتے ہیں لیکن ان کے اصل مقصد کو چھوڑ کر محض مادی فوائد مراد
لینا قرآن پاک سے بے بصری کا ثبوت ہے اور ان فوائد کے بارہ میں بھی مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کا ذاتی استنباط و
انکشاف نہیں بلکہ ایک مولوی ہی طنطاوی جوہری مصری کی تفسیر قرآن کا ماخوذ ہے جس میں اس قسم کے درجنوں مباحث بھی ہیں ھدی للمتقین
کی تفسیر میں ارشاد ہوتا ہے تقوی کے معنی بچاؤ ڈفاع اور سلف ڈفنس کے ہیں، یعنی قرآن ان قوموں کا
دستور العمل ہے جن کا ڈفنس مضبوط ہو، (ص ۴۰۱) یہ تفسیر تو لا تقربوا الصلوٰۃ کے مشہور لطیفہ سے
بھی بڑھ گئی، مصنف نے اپنے مقصد کے لحاظ سے کلام مجید کے ترجمہ میں اس قسم کی تحریفیں جابجا کی ہیں،
انی فضلتکم علی العالمین کا ترجمہ کیا ہے "تمہیں یاد ہوگا کہ تمہارے تابدار کارناموں کی وجہ سے
ہم نے تمہیں خیر الامم قرار دیا (ص ۱۲) اس ترجمہ میں تابدار کارنامے مصنف کا اضافہ ہے، جس سے ان کا
مقصد دنیاوی ترقی کا ثبوت ہے، حالانکہ گر وہ اس پر غور کرتے کہ یہ خطاب یہود سے ہے تو ان کو معلوم
ہو جاتا کہ ان کے تابدار کیا یہ تابدار کارنامے بھی نہیں ہیں، اللہ تعالی نے ضرور ان کو اپنے فضل و کرم سے
نوازا اور کو ایک زمانہ میں حکومت و سلطنت بھی دی لیکن انھوں نے ہمیشہ احکام الٰہی سے سرتابی کی،
اور اپنی بد اعمالیوں سے اس کو بھی کھو بیٹھے، قوم یہود کا اس کی قدیم تاریخ میں بھی کوئی کارنامہ نہیں
رہا ہے، مصنف نے ان کی جانب تابدار کارنامے منسوب کر کے نہ صرف اپنی قرآن فہمی بلکہ تاریخ سے بھی
واقفیت کا ثبوت دیا ہے،

اسی طریقہ سے ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین کا ترجمہ مسلم ہو، یا کوئی اور گروہ منشائے الٰہی
کے خلاف چل پڑے تو اللہ تعالی سزا دینے میں کبھی دریغ نہیں کرتے، وہ عالم سے بے نیاز ہیں (ص ۲۴۳) بھی

سراسر غلط ہے،

سُور کے بالون کے استعمال کے جواز مین تحریر فرماتے ہین، کہ اللہ کو علم تھا کہ سور کے بال تیرہ سو برس کے بعد انسانی تمدن کا حصہ بن جائین گے، اس لئے سور کو حرام کرتے وقت لحم الخنزیر کے الفاظ استعمال فرمائے یعنی سور کا گوشت حرام قرار دیا، اور بالون کے متعلق خاموشی اختیار فرمائی، ص ۸۲ "اگر اس اصول کو صحیح مان لیا جائے تو پھر مصنف کے لئے ان تمام چیزون کا استعمال جائز ہو جائے گا، جن کی نجاست کے بارے مین قرآن خاموش ہو، انکو غور کرنا چاہئے کہ اس کا سلسلہ کہان تک پہنچتا ہے، اس کی تصریح کی ضرورت نہین آیات ذیل

انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت	ہم نے آسمانون زمین اور پہاڑ کے سامنے امانت
والارض والجبال فابین ان یحملنہا	پیش کی پس انھون نے اسکی اٹھانے سے انکار
واشفقن منہا وحملہا الانسان	کیا، اور ان سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو
انہ کان ظلوماً جہولا،	اٹھا لیا، یہ بڑے بے ترس اور نادان ہین

کی تفسیر مین مجتہدانہ شان سے فرماتے ہین" کہ تمام علمائے اسلام نے حمل کے معنی کی تشریح مین غلطی کی ہو، اس کے معنی اٹھانے کے بھی ہین، اور خیانت کرنے کے بھی اور اس موقع پر خیانت کرنا مراد ہے اس کی تائید مین انھون نے قاموس کا حوالہ دیا ہے، ص ۱۴۷)

قاموس کے حوالہ کے ساتھ یہ کہنا کہ تمام علماء اسلام نے حمل کے معنی کی تشریح مین غلطی کی ہو تضاد بیان کا عجیب نمونہ ہے، جب صاحب قاموس نے خیانت سے تشریح کی ہے، تو پھر سارے علماء کو خطا کار بنانا کہان تک صحیح ہے، یہ بھی مصنف کا نیا اجتہاد نہین ہے، بلکہ بعض مفسرین خصوصاً علمائے لغت نے خاص اس آیۃ مین حمل کی تفسیر خیانت سے کی ہو، لیکن حمل کے معنی کسی لغت مین بھی خیانت کے نہین ہین، بلکہ حملہا الانسان سے وہ کافر و مشرک مراد لیتے ہین، جنھون نے بار امانت کا حق ادا نہین کیا، اور خدا کی نافرمانی کر کے

اس مین خیانت سے کام لیا، اس لئے حمل کے لغوی معنی خیانت کے نہین ہوئے، بلکہ بطور نتیجہ کے اس کی تشریح خیانت سے ہوگئی، جو بہت سی لغت کی کتابون مین اس آیت کے ضمن مین ملتی ہے، لیکن یہ قول شواذ مین ہے جمہور علماء کے نزدیک اس کے معنی اٹھانے ہی کے ہین، یہ مصنف کی فہم قرآن اور اُن کے تفسیری اجتہاد کے چند نمونے ہین، اس کی مثالین اور بھی ہین، لیکن سب کی تفصیل مقصود نہین،

حدیث کی صحت اور اس کی حجیت کے وہ منکر ہین، اور اس کی بے اعتباری کے ثبوت مین انھون نے وہی پُرانے دلائل دہرائے ہین، جو منکرین حدیث عموماً دیا کرتے ہین، اور جن کے جوابات بارہا دیئے جا چکے ہین، لیکن یہ عجیب بات ہو کہ ایک طرف تو وہ حدیث کی صحت کے منکر ہین، دوسری طرف انھون نے اپنی تائید مین بکثرت حدیثون سے استدلال کیا ہے، اور عباسی عہد کی علمی ترقیون کے سلسلہ مین جن علمائے و ائمہ کے نام لکھے ہین ان مین بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی بھی ہین (ص ۲۹) ان ائمہ کی عظمت اور ان کا علمی کمال محض ان کی محدثیت و خدمتِ حدیث کی بنا پر ہے جب حدیث ہی مصنف کے نزدیک دفتر بے معنی ہو، تو پھر ان بزرگون کو اصحاب کمال کے زمرہ مین شامل کرنے کے کیا معنی ہین،

فقہ و اجتہاد کے بارہ مین مصنف کے بیان مین عجیب تضاد نظر آتا ہے، ایک طرف تو انھون نے اس زمانہ مین اجتہاد کی ضرورت پر بڑا زور دیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ص ۶۰، ۶۱، اور قدیم مجتہدین کے کارنامون کو ان الفاظ مین سراہا ہے، "تمام ائمہ مین اجتہادی مسائل مین شدید اختلاف تھا، ابن ابی لیلیٰ شہر کے سرکاری قاضی تھے، اور جب کوئی فیصلہ کرتے تھے تو امام ابوحنیفہ اُن کے خلاف فتوی صادر کرتے تھے، ص ۶۶ بشر بن غیاث المریسی تو امام شافعی سے باقاعدہ مناظرے کیا کرتے تھے، اور یہی وہ فقیہ ہے جس نے گدہا حلال کیا (ص ۶۷) (زبان کی تہذیب و شائستگی داد طلب ہو،) امام ابو یوسف نے اپنی تحریرات مین امام مالک کی سخت تردید کی ہو، اور بعض مسائل تو ایسے ہین کہ ساری خدائی ایک طرف اور امام مالک دوسری طرف ص ۶۷)

ناظرین کو یہ شبہہ نہ ہو کہ اس تحریر سے مصنف کا مقصد اختلاف ائمہ کی مذمت ہو ایسا نہین ہے بلکہ

اجتہاد کی مدح و توصیف مقصود ہے یہ ان کی بلاغت ادا کی خوبی ہے کہ مدح و ذم میں امتیاز کرنا مشکل ہے، یہ واقعات انھوں نے خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کے اردو ترجمہ سے بلا حوالہ نقل کئے ہیں، جو انھوں نے اختلاف ائمہ کے سلسلہ میں تحریر کئے ہیں، اور جن کو مصنف نے اپنے حسنِ تحریر اور تدلیس سے اس شکل میں کر دیا ہے اگر وہ اس کی پوری بحث یا ماقبل اور مابعد کی عبارتیں بھی نقل کر دیتے تو ان واقعات میں بدنمائی نظر نہ آتی، لیکن انھوں نے تو اپنی خوبیٔ تحریر سے اردو ترجمہ کو بھی مسخ کر دیا ہے،

اجتہاد و اختلاف ائمہ کی تحسین کے ساتھ اسلامی فرقوں کے اختلاف کا رونا بھی روئے ہیں، اور ان الفاظ میں اس کا ماتم کیا ہے، "ہر مسجد اور ہر مکتب میں علیحدہ مذہب رائج تھا، اور ہر عالم دوسرے عالم کا کفر۔ ابن جوزی کے متعلق مشہور ہے کہ آپ غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ غوث اعظم بدعتی ہیں، اس قسم کی بعض اور مثالیں بھی انھوں نے دی ہیں (ص ۳۹)

یہ واقعہ معلوم نہیں مصنف نے کہاں سے نقل کیا ہے، اس کی حیثیت خرافات سے زیادہ نہیں ہے، ایک طرف تو مصنف کا تشدد اور بلندی یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے علاوہ حدیث کو بھی نہیں مانتے، دوسری طرف وہ اس درجہ تک اتر آتے ہیں کہ غوث و ابدال کی متصوفانہ اصطلاح کو بھی قبول کرنے میں ان کو تامل نہیں، شاید اپنی نسبت کی لاج میں یہ تنزل گوارا کیا گیا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ جیلانی کی نسبت ہے،

یہ ایک درمیانی بات آگئی تھی، اصل مقصد یہ کہنا تھا کہ ایک طرف انھوں نے اجتہاد پر بھی زور دیا ہے، دوسری طرف اسلامی فرقوں کے اختلافات کا بھی ماتم ہے جو اجتہاد کی صورت میں ناگزیر ہے اسلئے کہ وحدت خیال تو تقلید کا نتیجہ ہوتی ہے،

مصنف کے نزدیک اجتہاد کا مفہوم بھی شرعی اجتہاد سے مختلف ہے، شرعی اجتہاد کی تفصیل بعد میں آئے گی، مصنف کے نزدیک کسی اصول اور شرط کے بغیر کسی مسئلہ میں اپنی پسند کی رائے قائم کرنے کا نام اجتہاد ہے، چنانچہ لکھتے ہیں "مختلف مسائل میں بڑے بڑے ماہرین قانون مثلاً امام ابو حنیفہ امام شافعی اور

امام مالکؒ کے اجتہاد کو سامنے رکھے جہاں کہیں ان کے وضع کردہ قوانین پسند آئیں انھیں اپنا لے ورنہ اپنی راہ خود نکالے (ص ۶۲) اس اصول کے مطابق مصنف کے اجتہاد کے چند نمونے ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں "زکوٰۃ کی کوئی شرح قرآن نے نہیں مقرر کی ہے، اس لئے پاکستان کی طرف سے مختلف قسم کے ٹیکس بھی جزو زکوٰۃ میں شامل کئے جا سکتے ہیں، (ص ۳۳) "داڑھی منڈانے کا اجتہاد یہ ہے کہ قرآن میں بہت سے چھوٹے چھوٹے مسائل کے متعلق احکام و ہدایات ہیں (ان سب کے نام لکھے ہیں) اس میں داڑھی کا ذکر نہ کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ یہ چیز مذہب نہیں ہے یا تو پھر قرآن نامکمل ہے جس میں داڑھی جیسی ضروری چیز کے متعلق کوئی ہدایت موجود نہیں ہے (ص ۱۱) داڑھی حضور کا ذاتی رجحان ہے جس کی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے اس لئے مسلمان کو اختیار ہے چاہے رکھے چاہے نہ رکھے (ص ۱۰ و ۱۱)

کس قدر عالمانہ استدلال ہے قرآن میں تو نمازوں کے اوقات ان کی تعداد اور موجودہ شکل کی بھی کوئی تصریح نہیں ہے، اسلئے زکوٰۃ کی طرح نوافل و مستحبات کو بھی فرائض میں شامل کر لیا جائے یا داڑھی منڈانے کی طرح سرے سے نمازوں ہی کو نہ مانا جائے، اس علم و استدلال پر اجتہاد کا بھی دعویٰ ہے، داڑھی کو روزے نماز اور حج و زکوٰۃ کی طرح کوئی بھی ارکان اسلام میں نہیں مانتا، لیکن حضورؐ کے بعض افعال و احکام کا درجہ بھی واجبات سے کم نہیں ہے، اس مسئلہ پر اس سے زیادہ تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے،

اسی طریقہ سے مصنف بعض منصوص احکام یعنی چور اور زانی کی سزا میں بھی اپنے اجتہاد سے ترمیم چاہتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ص ۹۰ و ۹۵، ان مثالوں سے ان کے تخیلہ اجتہاد کے مفہوم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

اجتہاد کی آزادی کے ثبوت میں انھوں نے حضرت عمرؓ کے اجتہاد کا ایک واقعہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے "اجتہادی مسائل میں حضرت عمرؓ کی آزادی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اخیافی بھائی ماں اور باپ کی موجودگی میں حقیقی بھائیوں کو وراثت سے محروم کر دیا ہے، اگلے سال سب کو شریک وراثت بنا لیا، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا وہ اس فیصلہ کے مطابق تھا جو پچھلے سال کیا تھا، اور یہ اس فیصلہ کے مطابق ہے جو اس سال کیا ہے"

اس واقعہ کو انھوں نے اجتہاد کی آزادی کے ثبوت میں نقل کیا ہے، یعنی جب اور جیسی چاہے رائے قائم کرے،

یہ واقعہ بھی انھون نے اوّل آخر کو حذف کرکے لکھا ہو خضری نے اس کو اس سلسلہ مین نقل کیا ہو کہ ائمہ اور صحابۂ کرام کے اجتہاد کی بنیاد غور و فکر اور دلیل و برہان پر ہوتی تھی اسلئے اگر کسی اجتہادی مسئلہ مین ایک فیصلہ کرنے کے بعد ان کو اس کے خلاف کوئی دلیل مل جاتی تھی، اور وہ دوسرے نتیجہ پر پہنچتے، تو وہ بلا تامل پہلی راے کو بدل دیتے تھے غلطی پر جمے نہ رہتے تھے، ملاحظہ ہو تاریخ التشریع الاسلامی، (ص ۴، ۳۷ مطبوعہ مصر)

اس روشنی مین یہ واقعہ مصنف کے ذوقی پسند یا پسند کے اجتہاد کے خلاف پڑتا ہو، یعنی اجتہاد کی بنیاد، ذاتی پسند رای پر نہین بلکہ دلائل پر ہو، اس کے یہ معنی نہین کہ آج ایک بات پسند آئی، اسکے مطابق راے قائم کرلی اور کل جب کوئی دوسری بات پسند آگئی تو پہلی راے کو بدل دیا، ذاتی پسند سے رای قائم کرنے اور بدلنے اور دلائل سے کسی دوسرے نتیجہ پر پہنچنے مین زمین و آسمان کا فرق ہو، لیکن بالفرض اگر ان معنون مین بھی حضرت عمرؓ اجتہادی آزادی کو مان لیا جائے تو کیا ہماری مصنف مجتہد کا بھی وہی درجہ ہو اور وہ بھی حضرت عمرؓ کی اجتہادی آزادی کے اہل ہین

اب شرعی اجتہاد کے اصول و شرائط ملاحظہ ہون شریعت مین کسی مسئلہ مین ذاتی پسند سے راے قائم کرنے کا نام اجتہاد نہین ہو بلکہ اس کے حسب ذیل شرائط ہین،

اجتہاد انہی مسائل مین ہو سکتا ہو جن کے بارہ مین قرآن مجید اور احادیث نبوی مین کوئی حکم نہین ہے اور نہ اجماع سے اس کا ثبوت ملتا ہو جن مسائل مین قرآن مجید و احادیث نبوی مین احکام موجود ہین، یا جن پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، ان مین اجتہاد نہین ہو سکتا اجتہاد کے معنی ہین کہ نئے اور نامعلوم مسائل کے متعلق قرآن و حدیث کی اساس پر احکام کا استنباط کرنا اس کی دو صورتین ہین،

(۱) ایک یہ کہ قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ سے احکام کا استنباط کیا جائے یہ اسی صورت مین ملے گا جب قرآن کے الفاظ اس حکم پر حاوی ہون (۲)، دوسری یہ کہ قرآن و حدیث کے الفاظ مین تو اس مسئلہ کی صراحت نہ ہو لیکن اس مین ایسی علت اور سبب بیان کیا گیا ہو یا اس سے مستنبط ہوتا ہو جو زیر بحث مسئلہ مین بھی پایا جاتا ہو تو اس صورت مین قرآن و حدیث کے عقلی مفہوم سے حکم اخذ کیا جائے گا (۳) ایک تیسرا

اور سب سے مقدم شرط یہ ہو کہ مجتہد کے لئے عربی زبان و ادب قرآن و حدیث اور اصول فقہ مین مہارت اور دیانت و تقوی بھی ضروری ہے،

ان شرائط سے ظاہر ہے کہ اجتہاد کی بنیاد قرآن و حدیث ہی پر ہے، خواہ اس کے الفاظ پر ہو یا اس سے مستنبط کسی اصول پر ذاتی پسند اور راے پر نہین ہو ان شرائط کے ساتھ آج بھی اجتہاد کی اجازت ہو لیکن اجتہاد مین خطا و صواب دونون کا امکان ہو اس لئے صحابۂ کرام اس مین بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، اور ناگزیر حالات کے علاوہ اجتہاد سے پرہیز کرتے تھے، حضرت ابو بکرؓ کا یہ اصول تھا، کہ جب آپکے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوتا، تو پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے، اگر اس مین کوئی حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، ورنہ حدیث کی جانب رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہوتا، تو پھر صحابۂ کرام کے مشورہ سے فیصلہ فرماتے (مسند دارمی) کسی مسئلہ مین محض قیاس سے راے زنی نہین کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر مین کتاب اللہ یا معلوم مسائل مین راے زنی سے کام لون تو کون زمین میرا بار اٹھائیگی، اور کون آسمان مجھے سایہ دیگا (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۷) اور جب کبھی ناگزیر حالات مین اجتہاد کرنا پڑتا، تو یہ تصریح فرما دیتے کہ یہ میری راے ہے اگر صحیح ہے تو منجانب اللہ ہے، اور غلط ہے تو میری طرف سے ہو، اور مین خدا سے طالب مغفرت ہون،

یہی طریقہ حضرت عمرؓ کا تھا، آپ بھی نئے، ورنہ معلوم مسائل مین علی الترتیب قرآن و حدیث کی جانب رجوع کرتے تھے، اس کے بعد اس بارہ مین حضرت ابو بکرؓ کے فیصلہ یا فتوی کو تلاش کرتے اگر ان کا فیصلہ بھی موجود نہ ہوتا، تو صحابۂ کرام کے سامنے پیش کرتے، اور اس وقت تک بحث و مناظرہ کرتے رہتے، جب تک مسئلہ کے متعلق تمام شکوک و شبہات دور ہو کر پورا یقین، نہ ہو جاتا، (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۵)

یعنی دونون بزرگ پہلے قرآن و حدیث کی جانب رجوع کرتے تھے، اس کے بعد صحابہ سے راے لیا کرتے تھے اور سب سے آخر مین اجتہاد کرتے، لیکن ان کے اجتہاد کی نوعیت کا اندازہ حضرت عمرؓ کی ان ہدایات سے ہو سکتا ہو جو آپ نے حضرت ابو موسی اشعریؓ اور کوفہ کے قاضی شریحؓ کو لکھ کر بھیجی تھین، قاضی شریح کو فیصلہ کے بارہ مین یہ ہدایت دی تھی کہ

جس مسئلہ مین کتاب اللہ کا حکم موجود ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو، اس مین نہ ہو تو حدیث نبوی مین تلاش کرو اور اس مین بھی نہ ملے، تو اپنی راے سے اجتہاد کرو

اس اجتہاد کی تشریح خود آپ ہی کی ایک تحریر سے جو آپ نے قاضی شریح کو لکھی تھی، ہوتی ہے کہ جو چیز تم کو قرآن و حدیث مین نہ ملے، اور اس کے متعلق تم کو شبہہ ہو تو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو، ان کے ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر اس پر اس کو قیاس کرو (ازالۃ الخفار ص ۸۶) اس تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اوج شریعت مین اجتہاد کسے کہتے ہین، اس کے کیا شرائط ہین اور صحابہ کرام کے اجتہاد کی نوعیت کیا تھی، اجتہاد کی بنیاد بہرحال قرآن و حدیث ہی پر ہونی چاہیے،

مصنف نے اجتہاد و تقلید کی تاریخ کے سلسلہ مین یہ عجیب و غریب انکشاف کیا ہے کہ "ہمارے علمار سلطنت عباسیہ کے زوال تک اجتہاد سے کام لیتے تھے، یہ تقلید کا مرض اس وقت سے شروع ہوا جب مختلف خطون کے امرا نے صرف ان علمار کے وظیفے باندھنے (باندھنے کا لفظ کس قدر برمحل استعمال کیا گیا ہے) شروع کئے، جو کسی بڑے مجتہد کی تقلید مین فتوے دیا کرتے تھے، اب کسی عالم کو کیا پڑی تھی کہ وہ اجتہاد کی مصیبت مین پھنسکر اپنی تنخواہ گنواتا (ص ۱۷)"

کاش مصنف نے اس واقعہ کے ثبوت مین حوالہ بھی دیدیا ہوتا، لیکن اس کو واقعہ سے کوئی تعلق ہی نہین حوالہ کہان سے دیتے، یہ تو ان کا تاریخی اجتہاد ہے، اجتہاد کا دروازہ کبھی بھی وظیفہ خواری نے بند نہین کیا، اور ضرورت کے وقت شرعی اجتہاد کی آج بھی اجازت ہے، البتہ جس قدر زمانہ گذرتا گیا، خود اجتہاد کی ضرورت کم ہوتی گئی، پہلے اسلام کی ابتدائی تاریخ کے مقابلہ مین بعد کے زمانہ مین اجتہاد گھٹتا گیا، مصنف کو یہ ساری الجھن اس لئے پیش آرہی ہے کہ وہ اپنی خواہش نفس سے راے قائم کرنے کو اجتہاد سمجھتے ہین، بہرحال اوپر کے اقتباس مین ان کے قلم سے یہ نادانستہ اعتراف نکل گیا ہے، کہ "ہمارے علما، سلطنت عباسیہ کے زوال تک اجتہاد سے کام لیتے رہے، گو انھون نے اس زوال کا زمانہ متعین نہین کیا ہے، اس لئے کہ عباسیون کا زوال تیسری صدی سے لیکر ساتوین صدی کے وسط یعنی اُن کے خاتمہ تک قائم رہا، اگر مصنف زمانہ متعین کر دیتے تو یہ مسئلہ زیادہ آسانی سے صاف ہو جاتا، تاہم دونون مین سے جو زمانہ بھی مراد لیا جائے، مصنف کو اتنا تو بہرحال ماننا پڑے گا کہ یہ مسلمانون کے اوج شباب کا زمانہ تھا، ساری دنیا مین اُن کی عظیم الشان حکومتین قائم ہو گئی تھین اور وہ تہذیب و تمدن کی ہر شاخ مین اوج کمال تک پہنچ گئے تھے، اس لئے تقریباً تمام نئے مسائل پیدا ہو کر طے ہو چکے تھے، اور طے شدہ مسائل کو بار بار بدلنے کا نام اجتہاد نہین، بلکہ ان نئے مسائل مین جن کے متعلق قرآن و حدیث مین احکام اور گذشتہ ائمہ کے اجماعی فیصلے موجود نہین ہین اجتہاد شرعی سے فیصلہ کرنے کا نام اجتہاد ہے، مثلاً آج کل بیمہ کمپنیون، بنیک کے منافع، صنعت و حرفت و تجارت وغیرہ کی نئی شکلون مین اجتہاد کے شرائط کے مطابق ان کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، لیکن پرانے اجماعی اور متفق علیہ مسائل مین اجتہاد کی اجازت نہین ہے، اگر اس کی اجازت دیدی جائے تو شریعت کا کوئی قانون اور کوئی مسئلہ بھی اپنی جگہ قائم نہین رہ سکتا، جیسا کہ مصنف کی اجتہادی مثالون سے جو اوپر گذر چکی ہین، ظاہر ہے،

اس اصول کے مطابق اسلام کی ابتدائی چند صدیون مین تقریباً تمام نئے مسائل پیدا ہو کر طے ہو چکے تھے اور اجتہاد کا موقع بہت کم باقی رہ گیا تھا، اس لئے قدرۃً اس کی رفتار سست پڑ گئی تھی لیکن اس کا دروازہ مطلق بند نہین ہوا، اور ہر دور مین علمائے مجتہدین پیدا ہوتے رہے، ان مین سے بعض کے نام خود مصنف نے بھی لکھے ہین، امام ابن تیمیہ آٹھوین صدی ہجری مین تھے، خود ہندوستان مین حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا، ان کے علاوہ اور بہت سے نام لئے جا سکتے ہین، اس لئے اجتہاد کا سلسلہ تو قائم رہا، البتہ چونکہ اس کی ضرورت کم باقی رہ گئی تھی اس لئے اس کی نوبت کم آئی،

ممکن ہے کسی حکومت، یا کسی دور کے علمار نے اصحاب ہوا کی آزادی کو روکنے کے لئے عارضی طور سے اجتہاد بند

بھی کر دیا ہو تو مصالح شرعی کی بنا پر اس قسم کی بندش قابلِ اعتراض نہیں بلکہ عین تحفظ دین ہے، خاص
حالات میں بعض قوانین کا نفاذ عارضی طور سے ملتوی کیا جا سکتا ہے، جس سال عرب میں عام قحط پڑا تھا تو حضرت
عمرؓ نے چند دنوں کے لئے چوری کی سزا قطع ید ملتوی کر دی تھی، اسلئے کسی مصلحت کی بنا پر اجتہاد کی عارضی بندش سے اسکی
مطلق بندش کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے، ایک عامی کے لئے اجتہاد مطلق تقلید سے کہیں زیادہ خطرناک اور مضر ہے، مقلد
تو بہر حال ایک امام کا پیرو ہوتا ہے اسلئے اس کی جانب سے کسی غلطی کا امکان نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ اس کو
روشن خیالی مقلد جامد کا لقب دیگی، لیکن اس کے کسی فعل کا اثر دوسروں پر نہیں پڑتا، اس کے مقابلہ میں اجتہادی
غلطیوں سے ایک دنیا گمراہ ہوتی ہے، اس لئے ایسی اجتہادی بندش عین خدمت دین ہے، لیکن اس سے مراد
مصنف کا تخیلہ غیر شرعی اجتہاد ہے،

مصنف کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقلید کو اجتہاد کا ضد سمجھتے ہیں، اس اصول سے تاریخ اسلام
میں ایک حقیقی مجتہد بھی نہیں نکل سکتا، مجتہد کے صرف یہ معنی ہیں کہ اس میں اجتہاد کے تمام شرائط پائے جاتے ہوں،
یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ عملاً بھی اجتہاد کرتا ہو، اور ان علمائے مجتہدین میں بھی جو عملاً اجتہاد کرتے تھے، بہت
سے مسائل میں اتحاد رائے ہے، اختلافی مسائل تو صرف چند ہوتے ہیں خود ائمہ اربعہ کے متفق علیہ مسائل کی تعداد
اختلافی مسائل سے زیادہ ہے، اس لئے کہ جب اجتہاد کی بنیاد اور اس کا طریقہ ایک ہوگا، تو لازمی طور سے اختلافات کم
اور زیادہ تر فروعی ہونگے، یہ بحث ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی پھر بھی اجتہاد پر تفصیلی بحث نہ ہو سکی آجکل اجتہاد پر بڑا
زور دیا جاتا ہے اس لئے اس پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے، انشاء اللہ آئندہ کسی موقع پر اس موضوع پر مفصل گفتگو کیجائیگی،

آخر میں اکابر اسلام سے مصنف کی ناواقفیت اور انکی ادب ناشناسی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں، مشہور صحابی حضرت
ابو موسیٰ اشعریؓ کے متعلق لکھتے ہیں "جب ابو موسیٰ مجمع عام میں اپنا فیصلہ سنا چکا (جنگ صفین کی تحکیم میں) تو اس کے فیصلے سے
ترابی انتخاب کی توہین تھی" (ص ۲۶، ۲۷، ۳) فرقہ کیسانیہ کے عقائد کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کے فرزند دلبند اور
جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن حنفیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "محمد بن حنفیہ فوت نہیں ہوا بلکہ بدستور زندہ ہے" [۲۹]

اگر مصنف ان بزرگوں کی شخصیت سے ناواقف ہیں تو تاریخ اسلام پر ان کی نظر نہیں اور اگر جان بوجھکر
ان کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے تو اور بھی قابلِ الزام ہیں، اس سے بھی بڑھکر کمال یہ کیا ہے کہ غزوہ خندق میں
ام المومنین حضرت صفیہؓ کی بہادری کے سلسلہ میں لکھتے ہیں "حضور کی ایک بیگم صفیہ لٹھ لیکر نکلیں اور ایک یہودی کو
قتل کر ڈالا" ام المومنین کے لئے بیگم ہی کے لقب کا استعمال کیا کم تھا اس کے ساتھ لٹھ مصنف کے حسن مذاق کا اور ثبوت
ہے اس بارہ میں وہ غریب مجبور بھی ہیں آخر کچھ وطنی خصوصیات کو بھی تو ملحوظ رکھنا ہے،

غرض اس کتاب میں مصنف کے علم و اجتہاد وسعت معلومات حسنِ تحریر اور حسن ادب وغیرہ ہر کمال کے نمونے
ہیں ان سب کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، مذکورہ بالا مثالوں سے اس کا اندازہ ہو گیا ہوگا، ہم کو اس کے ماننے
میں تامل نہیں کہ مصنف کی نیت نیک اور اس کتاب کی تالیف سے ان کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح
اور دنیاوی ترقی ہے، جو ایک محمود اور اچھا مقصد ہے، لیکن اس کا طریقہ وہ نہیں ہے جو انھوں نے اختیار کیا
ہے، اس کی تعلیم خود اسلام میں موجود ہے اور جس طرح ایک مسلمان پر عبادت فرض ہے، اسی طرح اسلام
اور مسلمانوں کی قوت و شوکت اور ان کی دنیاوی سربلندی کے لئے اس کے مادی ذرائع پر عمل کرنا بھی فرض
ہے، اس لحاظ سے مصنف کے بعض خیالات اور مشورے صحیح بھی ہیں، لیکن ان میں حق و باطل دونوں کی
آمیزش ہے جس سے فائدہ سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے، اس قسم کی کوششوں کی مثال ایسی ہی ہے
جیسے جسم کے ماؤف حصہ سے مادہ فاسد . . . . کو خارج کرنے کے لئے ماؤف حصہ پر نشتر لگانے کے ساتھ
شہ رگ کو بھی کاٹ دیا، اس لئے ایسے اہم اور نازک مسائل میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے جس کا
سنبھالنا ہر شخص کا کام نہیں،

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مطبوعاتِ جدیدہ

خطباتِ بدر: از جناب مولوی بدر الدین صاحب بدر جالندھری، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۴۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد: ۔/للعہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور،

خطبہ جمعہ کا اصل مقصد خدا کی حمد و ثنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب پر درود و سلام، قرأت قرآن، وعظ و تذکیر اور دعا ہے، لیکن اس مین دوسری مذہبی تعلیمات بھی دیجا سکتی ہین اور مسلمانون کی صلاح و فلاح کے اہم مسائل بھی بیان کئے جا سکتے ہین، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حصہ ایسی زبان مین ہونا چاہئے جس کو سامعین سمجھ سکین، اس کی صورت یہ ہے کہ خطبہ مسنونہ تو عربی زبان ہی مین پڑھا جائے اور دوسرے معاملات و مسائل ملکی زبان مین بیان کئے جائین، مصنف نے اسی نقطۂ نظر سے یہ خطبات لکھے ہین، اس مین عربی کے دونون مختصر خطبے بھی دیدیئے ہین، اس کے ساتھ مسلمانون کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، اجتماعی، اصلاحی اور اسی قسم کے دوسرے ضروری مسائل پر اردو مین پچاس خطبے ہین، ان تمام خطبات کی روح خالص اسلامی ہے، اور دور جدید کی ضروریات کے مسائل مین بھی مصنف کا قدم دین کے دائرہ سے باہر نہین نکلا ہے، اس لئے یہ خطبات نہ صرف جمعہ مین پڑھنے کے لئے کار آمد بلکہ اپنے مفید مذہبی معلومات کے لحاظ سے مسلمانون کے عام مطالعہ کے لائق بھی ہین، اُن سے کم استعداد مبلغین اور واعظ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہین،

قومی ملکیت اسلامی نقطۂ نظر سے: از جناب نعیم صدیقی، تقطیع بڑی، ضخامت ۵۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲؍ پتہ مکتبہ چراغ راہ، لوٹیا بلڈنگ، آرام باغ روڈ، کراچی نمبر ۱،

اسلام اور کمیونزم کے معاشی نظام پر جن لوگون کی پوری نظر نہین ہے، وہ اُن کے بعض پہلوؤن مین مشابہت دیکھ کر دونون کو یکسان سمجھنے لگتے ہین، اور قرآن و حدیث سے اس کی تائید تلاش کرتے ہین، چنانچہ اشتراکیت کی طرح اسلام مین بھی وسائل معیشت کو قومی ملکیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہین، جو قطعی غلط ہے، درحقیقت اسلام کا معاشی نظام مستقل حیثیت رکھتا ہے، اور کمیونزم اور سرمایہ داری دونون نظامون سے مختلف ہے، لائق مصنف نے اس کتاب مین قومی ملکیت کے بارہ مین اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اور اس بارہ مین اشتراکی اصول کے نتائج پر بحث کرکے دکھایا ہے کہ اس سے اصل مقصد یعنی طبقاتی اور معاشی مساوات بھی حاصل نہین ہوتا، اور سرمایہ داری نظام سے بھی زیادہ خرابیان پیدا ہوتی ہین، اس کے مقابلہ مین اسلام کا اصول اس قدر متوازن ہے کہ انفرادی ملکیت کو قائم رکھتے ہوئے بھی اس کو قومی ملکیت کی اصل غرض و غایت کے تمام فوائد حاصل ہوتے ہین اور اس کی خرابیان بھی پیدا نہین ہوتین، درحقیقت ہر نظام اپنے تمام اجزا سے مل کر کامل ہوتا ہے اور اس کی ایک بنیادی روح ہوتی ہے، جو سارے نظام مین ساری ہوتی ہے، جس کو اس سے الگ نہین کیا جا سکتا، ورنہ سارا نظام بے کار ہو جاتا ہے، اس لئے مختلف نظامون کے اجزا ایک دوسرے مین خلط نہین کئے جا سکتے، اور جب اسکی کوشش کیجائیگی تو دونون کا مقصد فوت اور اس کی روح ختم ہو جائے گی، اس لئے اسلام اور کمیونزم کے معاشی نظام کو ایک دوسرے پر منطبق کرنے کی کوشش کرنا دونون کو بگاڑنا ہے، یہ رسالہ کمیونزم سے متاثر مسلمان نوجوانون کے مطالعہ کے لائق ہے،

دلائل توحید باری: از مولانا عبد الرؤف خان صاحب رحمانی، تقطیع بڑی، ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ، کتابت، و طباعت، بہتر، قیمت ایک روپیہ، مصنف نائب ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر، ڈاکخانہ رام دت گنج، ضلع بستی،

خدا کی توحید کا عقیدہ تقریباً تمام الہامی مذاہب مین موجود ہے، زیادہ التباس توحید فی الصفات

مین ہوا ہے، جس نے بگڑ کر شرک کی صورت اختیار کر لی، پرانی مناظرانہ کتابون مین اس پر بڑی بحثین اور توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے پرانے طرز کے دلائل کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، مصنف نے انہی مین سے اپنے پسندیدہ دلائل منتخب کر کے اس کتاب مین جمع کر دیئے ہین، اس کے پہلے حصہ مین توحید باری کے ثبوت اور تعدد الٰہ کی تردید کے دلائل ہین، دوسرے مین ان عقائد و اعمال کی تردید ہے، جو توحید خالص کے خلاف اور مسلمانون مین بھی رائج ہین، مثلاً غیر اللہ سے استمداد اور علم غیب وغیرہ مصنف کو موجودہ زمانہ کے کلامی مسائل اور ان کے طرز استدلال کا اندازہ نہین ہے، اس لئے انھون نے انہی پرانے مسائل اور دلائل کو دہرا دیا ہے جن کی آج کل چندان ضرورت نہین، اور نہ ان کو موجودہ مذاق قبول کر سکتا ہے، تاہم مصنف کی نیت اور ان کا مقصد نیک ہے، اس لئے انشاء اللہ اس کا اجر ان کو ملے گا،

مادر ہمدرد : از جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ امیر خسرو بُک ڈپو لائبریری کاذ بلی،

ایک عرصہ کے بعد خواجہ صاحب کی نئی تصنیف کی زیارت ہوئی ہے، ان کی تحریر کے مطابق اس تصنیف کا مقصد باشندگان ہندوستان و پاکستان کے کلچر اور قدامت کی مادری تربیت کے عمدہ نتائج کا بیان ہے" اس مقصد کے مطابق مصنف نے ہندوستان کے بہت سے قدیم صلحاء و اخیار اور موجودہ دور کے اکابر و ممتاز آدمیون کے مختصر حالات مادری تربیت کے اچھے نمونے کی حیثیت سے لکھے ہین، لیکن ان مین کم ایسے ہین جن کے متعلق یہ ثبوت دیا گیا ہو کہ ان کے محاسن مادری تربیت کا نتیجہ تھے، ہر شخص کے اوصاف کو مادری تربیت کا لازمی نتیجہ نہین کہا جا سکتا جب تک اس کا ثبوت موجود نہ ہو ورنہ اگر اس کو بطور کلیہ کے مان لیا جائے، تو پھر ہر انسان کو مادری تربیت ہی کا نمونہ ماننا پڑے گا، جو ایک غیر منطقی بات ہے، تاہم اس کتاب سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اس مین ہر طبقہ کے بہت سے اکابر اور ممتاز شخصیتون کا تذکرہ قلمبند ہو گیا اور اس سلسلہ مین مصنف نے اپنے احباب و متوسلین کا حق بھی ادا کر دیا،

"م"

جلد ۶۵ ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۵۰ء عدد ۴

مضامین

مقالات

وفیات

ادبیات